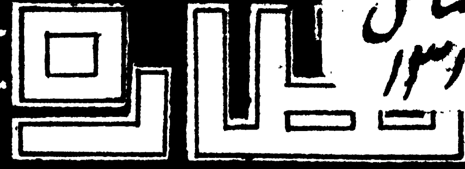


عباسؑ کا علم ہے قومی نشاں ہمارا

ابوالفضل العباسؑ نمبر ۱۳۶۴ھ

سالانہ چندہ

ایڈیٹر
حسینی شاعر فضل لکھنوی

قیمت فی پرچہ

بین الاقوامی خصوصیات کی حامل کتاب

حُسَینی دنیا

بلا تفریق مذہب و ملت مشاہیر عالم کے خیالات و آرا کا مجموعہ

محسن انسانیت کا حسینی میں دنیا کے ہر شعبہ حیات کے چیدہ نمایندے جو عقیدت کے پھول نذر کر چکے ہیں اُن کا گلدستہ (مجموعہ)

مرتبہ جناب سید محمد اکبر صاحب سیتاپوری

رسول سلام ، حضرت علی ، ازواج رسول ، اصحاب رسول ، خلفائے راشدین ، اصحاب حسین ۔ دشمنان و مخالفین امام حسین ۔ ائمہ اہلبیت ۔ صوفیائے کرام ۔ مورخین و علمار متقدمین و متاخرین اہلسنت علمائے اہل تشیع ۔ شاہان بنی امیہ شاہان بنی عباس ۔ شاہان مغلیہ ۔ شاہان اودھ ۔ والیان ملک ، راجگان ، مہاراجگان ۔ تعلقداران ۔ ارکان انڈین نیشنل کانگریس آل انڈیا ہندو مہاسبھا ، خلافت کمیٹی ۔ آل انڈیا مجلس احرار ۔ شعبہ تعلیمات ، وزرار جج ، جاگیردار و حکام ۔ ارکان کونسل مذہبی لیڈر اور مشنری ، مفکرین و مورخین یورپ اور مسٹر محمد علی جناح ، مسٹر گاندھی ، پنڈت جواہر لال نہرو ... ڈاکٹر راجندر ... سیف الدین ... سر تیج بہادر سپرو مسز سروجنی نائڈو وغیرہ وغیرہ (امام حسین کے متعلق)

۳۹۴ آرار کا مجموعہ

علامہ ابن حسن جارچوی فرماتے ہیں :۔ "حسین کی ذات عالمگیر بھی ہے اور وقت گیر بھی ، ہر ملک اور ہر قوم نے اُن پر آنسو بہائے ہیں ... لیکن یہ عقیدت کے پھول اور اشک غم کے قطرے آج سے پہلے منتشر ... محمد اکبر صاحب نے ان پھولوں کا ایک گلدستہ اور ان قطرات کی ایک لڑی تیار کر لی ہے ... جسکو حسینی دنیا کے نام سے نظامی پریس لکھنو حسینی برادری کے سامنے فخر سے پیش کر رہا ہے۔"

۲۰×۳۰ ۱/۱۶ کی مناسب و موزوں تقطیع ۔ سفید کاغذ ۔ قیمت علاوہ محصول ...... ۱/ ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ :۔ نظامی پریس بک ایجنسی لکھنو آہنی پھاٹک

خمخانہ خلد (مراثی جناب رشید) ۱۲	اشارات غم (نجم آفندی) ۱۲	مفتاح البیان حصہ سوم عہ
لطیم نفیس (مراثی جناب نفیس) ۱۲	اشارات غم ...... حصہ ۲ ۸	مفتاح البیان حصہ اول ۱۲
خورشید خاوری (مرثیہ جناب وقار) ۱۲	آیات ماتم نجم آفندی ۱۲	معراج الکلام ...... عہ
فتح مبین (مرثیہ جناب نجم آفندی) ۸	تصورات غم	محافل و مجالس چہاردہ معصوم ۱۲
مرثیہ جناب زائر سیتاپوری	مورج فرات فضل لکھنوی ۱۲	ریاض المصائب ...... عہ
(۱) دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے ۵	حیات ماتم فضل لکھنوی ۸	عزاداری کی تاریخ مجلد عہ
(۲) حسین عالم انسانیت کا راہبر ہے ۸	چراغ معرفت فضل لکھنوی ۱۲	سوانحعمری حضرت امام حسین ۱۲
سوز خوانی کے مرثیے ...	کائنات غم فضل لکھنوی عہ	سوانحعمری حضرت علی اکبر ۱۲
۴۴ عدد (ایک سٹ) عہ	مولانا محمد عادل صاحب جذبات گریہ آنسو زاری	
شاہکار انیس صورت چند جلدیں باقی ہیں علاوہ محصول	**فریاد** بیاض نوحہ مولانا سید حسن صاحب قبلہ ۸	**نظامی جنتری ۱۳۶۵ھ چھپ رہی ہے**
	ماتمی دنیا ۸ صبغت ماتم ۸	**نظامی پریس لکھنو**

ہم بازوئے رشتہ کی جو وفا کرتے ہیں
زینت دہ بزم شہادت ...

عباس کو ہم صورت حیدرؑ نہ کہو
... نظیری تو خدا کی ...
(ذاکر حسین)

عباس علیہ السلام
بنی ہاشم کا چاند

بہن کا ناصر

آزادی کا علمبردار

فاتح جنگ کربلا

علمدار غازیٔ اسلام

فرات کا بادشاہ

صبر کا مرکز

سرزمین کا فخر

عالم کی عزت

سکینہؑ کی امید

زینبؑ کی آس

حسینؑ کا دل

حسنؑ کا سہارا

علیؑ کی تمنا

فاطمہؑ کا بیٹا

ام البنینؑ کا چراغ

بہادر سپاہی



پیش کردہ ناچیز (فضل)

فہرست مضامین

۷۸۶ ۲۸۸۹
نظارہ لکھنؤ
جلد ۵ | ۱۲؍دسمبر ۱۹۴۴ء | نمبر ۱

عقیدت کا موتی

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے نورانی دربار میں خاص نمبر کی سالانہ نذر پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہے ہیں یہ صرف کارکنان نظارہ ہی کی پیشکش نہیں ہے بلکہ اس میں سب سے زیادہ حصہ اُن حضرات مومنین کا ہے جنھوں نے قلم سے زبان سے اور پھر روپیہ سے اس نمبر کی مدد فرمائی۔ آجکل نمبر نکالنا آسان کام نہیں ہے جو لوگ پریس اور اخبار کی دشواریوں سے واقف ہیں انھیں اچھی طرح علم ہے کہ خاص نمبر کس محنت اور جانفشانی سے شائع کیا جاتا ہے۔

اتنی آمدنی ہوتی نہیں کہ چندہ کرنے کی ضرورت نہ پڑے اس لئے سب سے زیادہ اہم کام روپیہ کی فراہمی ہوتا ہے اگرچہ مضامین کی سعی، ترتیب کی کوشش میں زحمتیں ضرور برداشت کرنا پڑتی ہیں لیکن روپیہ کیجا کرنے میں کچھ اتنی تکلیف اور محنت برداشت کرنا پڑتی ہے کہ دوسرے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔

خود حضرت عباس روحی لہ الفداء واقف ہیں کہ ہم نے کوئی کوتاہی نہیں کی، اگرچہ اب کی کا یہ نمبر مثل سال گزشتہ مرتب کرکے پیش کیا جارہا ہے لیکن اس کے بعد بھی ہمیں اعتراف ہے کہ جیسا نمبر چاہیئے تھا ویسا نہ پیش کرسکے، خود حضرت سے بھی شرمندہ ہیں اور ناظرین نظارہ سے بھی۔ بہر طور ہمیں یقین ہے کہ انشاءاللہ حضرت عباسؑ عقیدت کا یہ موتی قبول فرماکر ہمیں دین و دنیا میں عزت عطا فرمائیں گے۔

دلی شکریہ

سب سے پہلے تو ہم کنٹرولر صاحب نیوز پرنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہمارے اس سالانہ مذہبی نمبر (ابوالفضل العباسؑ) کی اشاعت کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد مضمون نگار اور شعراء کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے جن کے مضامین اور نظموں کی بدولت یہ نمبر ایک روحانی گلدستہ بنا کر ملک و قوم میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد ادارہ حسب ذیل

حضرات کا بھی دلی شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے اس نمبر کی مالی مدد فرمائی۔ جس کا اجر دین و دنیا میں خود حضرت عباس علیہ السلام عطا فرمائیں گے۔

عباسؑ کے چاہنے والے (سلسلہ گزشتہ)

جناب صدر الملت مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب سے ر جناب سید ناظر حسین صاحب نقوی بمبئی صہ ر جناب سید غلام مہدی صاحب شملہ صہ ر جناب مولانا عباس علی صاحب ... ر جناب سید حیدر عباس صاحب ... الہ آباد، جناب حیدر علی صاحب اینڈ سنس بردا تی اسٹیٹ صہ ر جناب خان بہادر سردار سید محمد ذکی صاحب میر امان منزل علی گڑھ عنہ ر جناب مس جہاں آرا بیگم صاحبہ کلکتہ عنہ ر جناب سید حامد علی صاحب رئیس بہانی عنہ ر جناب ملک علی صاحب چیف انجنیر صہ ر جناب خان بہادر مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر صہ ر جناب سید کرم حسین صاحب اکسائز انسپکٹر مان بھوم صہ ر ایک مومن عہ ر ایک بزرگ قوم (جنھوں نے اظہار نام کی اجازت نہیں دی) عہ ر جناب سید نواب صاحب افسر لکھنوی صہ ر جناب ڈاکٹر شہریار مرزا صاحب صہ ر جناب نواب سردار علی خاں عرف سنجھو صاحب عہ ر جناب مولانا سید محمد باقر صاحب ... اس کے علاوہ جن حضرات کا چندہ دوران طباعت میں وصول ہوگا ان کا آئندہ نمبر میں شکریہ ادا کیا جائے گا۔

اعلان تعطیل

اس نمبر سے قبل بھی ۱۴ر دسمبر کے نمبر کی ہم تعطیل کر چکے ہیں اور اس نمبر کے بعد بھی کاغذ کی کمی کو پورا کرنے کے سلسلے میں ۲۸ر دسمبر کا نمبر شائع نہ ہو سکے گا ناظرین انتظار نہ فرمائیں۔ اب ۷ر جنوری ۴۵ء کا نظارہ ۵ر جنوری ۴۵ء کو انشاء اللہ ڈاک میں ڈال دیا جائے گا۔

معذرت

شعرائے کرام اور مضمون نگار حضرات کو کتنا ہی قبل سے مطلع کیا جائے لیکن اس کے بعد بھی عین وقت پر نظمیں اور مضامین وصول ہوتے ہیں۔ چنانچہ مجبوراً کئی نظمیں اور مضمون اشاعت سے رہ گئے جو آئندہ نمبر سے شائع کئے جائیں گے۔

حضرت جعفر کا ورثہ تھا علمداری نہ تھی

انیسِ نوحہ استاد الاساتذہ دعبلِ ہند جناب ذاکر لکھنوی غفر اللہ لہٗ
کا ایک مشہور نوحہ

جان اپنی بھائی سے عباس کو پیاری نہ تھی
اک جہاں کو تھا سبق دنیا وفاداری نہ تھی

نہر سے پانی نہ پینا دھوپ میں آساں نہ تھا
پیاس کا بھڑکا ہوا شعلہ تھا چنگاری نہ تھی

زینب و کلثوم رو دیں بھائی کو تا زندگی
بھول جاتی جو دلوں سے وہ مددگاری نہ تھی

نصرت شبیر میں عباس یوں زخمی ہوئے
کونسی تھی وہ جراحت تن پہ جو کاری نہ تھی

ہاتھ غازی کے لبِ دریا جدا ہونے کو تھے
حضرت جعفر کا ورثہ تھا علمداری نہ تھی

دوش پہ رکھکر علم دکھلا دی شان حیدری
حق پہ مرنے کی ہوس تھی فکر سرداری نہ تھی

تھا جری راہ رضا میں اس طرح ثابت قدم
جان دیدی یوں کہ جیسے کوئی دشواری نہ تھی

واہ ری ہمت کہ جو اک مشک پانی کی نہ دے
اس سے بڑھکر کوئی دنیا کی دل آزاری نہ تھی

نور عین مرتضیٰ پر فتح ممکن ہی نہ تھی
کیا اسد کرتا رضائے ایزد باری نہ تھی

پاس شہ کے ایک بیٹے کے سوا کوئی نہ تھا
بھائی کیا چھوٹا کہ پھر وہ شان دلداری نہ تھی

کام آئی قبر میں ذاکر ولائے اہل بیت
ہم تھے خالق کے ملک تھے کوئی دشواری نہ تھی

نذرِ عقیدت

ہے عبادت مدحتِ آلِ عبا میرے لئے

(از مہاراجکمار محمد محمود حسن خاں صاحب بہادر - آف بسہا اسٹیٹ)

عطیۂ خاص

ناموافق ہے زمانہ کی ہوا میرے لئے ۔۔۔ ہو گئے گویا عقارب اقربا میرے لئے
ناروا اغیار سے ہے التجا میرے لئے ۔۔۔ چار دہ موجود ہیں حاجت روا میرے لئے
روئے اکبرؑ کی ثنا لکھتا ہوں اے ذہن رسا ۔۔۔ عرش سے اعلیٰ مضامیں ڈھونڈھ لا میرے لئے
مدح اہلبیتؑ میں جب بیت میں کرتا ہوں نظم ۔۔۔ گھر نیا جنت میں ہوتا ہے بنا میرے لئے
مسجدِ عزلت میں ہوں مثل آبو ذر گوشہ گیر ۔۔۔ ہے سریر بادشاہی بوریا میرے لئے
نورِ چشم فاطمہؑ کے غم میں کہتی ہے یہ آنکھ ۔۔۔ ہیں بکا کے واسطے ہوں اور بکا میرے لئے
دشمنانِ آلِ احمدؐ پائیں گے اُس دن سزا ۔۔۔ کیا خوشی کا روز ہے روز جزا میرے لئے
شاہ کہتے تھے نہ جانا ہے مروت کے خلاف ۔۔۔ دُور سے لینے کو آئی ہے قضا میرے لئے
رو کے صغراؑ نے کہا سُنکر سنانی باپ کی ۔۔۔ خوب بھیجی میری قسمت نے دوا میرے لئے
رایت عباسؑ کا سایہ ہے میرے سر کا تاج ۔۔۔ بار خاطر کیوں نہ ہو ظل ہما میرے لئے
ماں سے کہتی تھی سکینہؑ مانگئے حق سے دعا ۔۔۔ مشک بھر کر نہر سے لائیں چچا میرے لئے
دفن کر کے اصغرِ بے شیر کو شہ نے کہا ۔۔۔ اے زمیں رکھ چھوڑ یو تھوڑی سی جا میرے لئے

مرثیہ گوئی کا اے محمود ہے بچپن سے شوق
ہے عبادت مدحت آل عبا میرے لئے

روحانی پھول

(حسینی شاعر فضل)

امام حسینؑ نے اپنے عمل سے بتادیا کہ وقت آنے پر انسانیت کی بھلائی کے لئے اولاد اعزا جان و مال سب کچھ دیا جا سکتا ہے لیکن یزید جیسے فاسق کی بیعت نہیں کی جا سکتی یہی وہ اٹل اور مضبوط فیصلہ تھا جس نے دنیا کے دل میں قیامت تک حضرت امام حسینؑ کی جگہ بنادی۔

حسینؑ نہ ہوتے تو انسانیت اپنے مفہوم خلقت سے بے نیاز رہتی، اور اگر حسینؑ کا صبر نہ ہوتا تو بے صبری عام ہوتی اور اگر حسینؑ یزید کی بیعت کر لیتے تو اُمت کی کشتی، اخلاق اخوت اور محبّت کے دریاؤں کو پار کر لینے کے بجائے غرق ہو جاتی۔

یزید کے تاج اور جواہرات کی چھوٹ نے ابن سعد شمر خولی ابن زیاد جیسے لاکھوں دلوں میں ایسا طوفان پیدا کر دیا جیسے سمندر کا جوار بھاٹا آیا اور لوگوں کو اپنے ساتھ لے گیا ــــــــ مگر علی اصغرؑ کے خشک ہونٹوں پر تبسم کی لہر میں خدا جانے کونسی چمک تھی جو آج بھی محبّت بھری آنکھوں کے سامنے جگمگاتی ہے اور قیامت تک جگمگاتی رہے گی۔

عاشور کے سورج کی پہلی کرن نے حسینی خیام کو بوسہ دے کر حسینؑ کے پُرنور چہرے کی اسکے اعزا و اصحاب سمیت زیارت کی لیکن آخری شعاعیں ۲ نے خون بھری لاشوں کو دیکھ کر مغرب میں چھپیں۔ آہ۔ چند گھنٹوں میں کیا سے کیا ہو گیا۔

یزید کی لاکھوں فوج میں کسی ایک سپاہی کی نسل باقی نہیں، حالانکہ لاکھوں کی تعداد میں کربلا سے زندہ واپس آئے تھے۔ لیکن امام حسینؑ کی اولاد (سید) آج لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ حالانکہ صرف امام زین العابدینؑ باقی رہ گئے تھے۔ یہ بھی حسینؑ مظلوم کی مستحکم فتح کا ایک مضبوط ثبوت ہے۔

امام زین العابدینؑ کا صبر، حسینؑ کا ایثار، عباسؑ کی وفا، علی اکبرؑ کی شجاعت، زینبؑ کے حدودِ صبر میں آنسو اور سب سے بڑھکر علی اصغرؑ کی مسکراہٹ نہ ہوتی تو اُمت محسنؐ کا کوئی سہارا نہ تھا۔

حقیقی آنسو، دل کے خون سے بنتا ہے اور اس سے بہتر اس کا کوئی مصرف نہیں کہ تشنگی ابا میں پیش کردیا جائے۔ کیونکہ اگر تیرہ سو برس پہلے بہا ہوا خون فرزند رسول کے قدموں پر نچھاور نہ ہوگا تو اب یہ خون کے آنسو ہی بن کر حسینؑ تک پہونچ جائے۔

جیسے میرے نفس نے مجھ سے سوال کیا۔ اگر حسینؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ میں مسلمان نہ ہوتا۔ نفس نے کہا اگر حسینؑ اپنی قربانی پیش نہ فرما دیتے تو کیا ہوتا۔ میں نے کہا: معنوی اسلام ہوتا نہ لفظی اسلام۔

بیش قیمت ہے وہ سانس جو حسینؑ کا نام دل سے ساتھ لے کر اُبھرے اور پاکیزہ ہیں وہ آنسو جو حسینؑ کی تصویر کھینچ کر ڈبڈبائیں۔ اور اونچی ہے وہ روح جو جلوۂ حسینؑ کے تصدق میں بلند ہو۔

دُنیا کا ہر غم غیر مستقل ہوتا ہے جس کو گذرتی ہوئی راتیں اور جاتے ہوئے دن بھلا دیتے ہیں لیکن امام حسینؑ کا غم وہ غم ہے جو تاریخ عالم کے سینے میں اپنی جگہ ٹھوس اور مستقل بنا چکا ہے اور جس کو مخالفت کی آندھیاں قیامت تک نہیں مٹا سکتیں۔

شامِ غریباں

از جناب سید افسر علی صاحب بقا جلالوی

دکھ پہ دکھ شہزادیوں پر یا نصیب
چھٹ چکے ہیں وارثانِ سر بکف
ناریوں نے پھونک ڈالے ہیں خیام
پُر خطر جنگل، اُداسی چار سُو
وقتِ شب، پُر ہول دشت کربلا
گھر لیا ہے دشت میں ظلمت نے گھر
وہ ہواؤں کی صدائیں سائیں سائیں
خوں میں ڈوبا رات کا جاگا ہوا
جب تلک جیتے رہے وہ سب جری
تھے جو مضطر اہلِ بیت مصطفےٰ
دیتے تھے آواز عباسِ علیؑ
اب کہاں وہ ناصر و جانباز ہیں
پہنے سب رنگیں شہادت کا لباس
دشت میں پھیلی ہوئی ہے چار سو
اللہ اللہ انقلاب آسماں
چادریں بھی سب کے سر سے چھن گئیں
دم بخود ہیں آنکھوں میں آنسو بھرے
صبح سے صدمے اُٹھائے ہیں بڑے
بے دیاروں کو دلاسا کون دے
بیکسوں کے غمگساروں لو چلو
اے مری مظلومہ بیکس بے دیار
آ چکی شامِ غریباں بھی قریب
فوجِ دشمن خیمہ زن ہے ہر طرف
جھٹپٹا ہے شام کا دن ہے تمام
شامِ غم کھولے ہوئے سر در بدر
رن میں سناٹا سا اک چھایا ہوا
بے گھروں کا ہے خدا حافظ مگر
بیبیاں بہرِ مدد کس کو بلائیں
شور ہا ہے وارثوں کا قتا فلا
فاطمہؑ کے گھر پہ آنچ آنے نہ دی
خیمہ گہ کا رات بھر پہرا دیا
دیکھو گھبرانا نہ ناموسِ نبیؐ
آلِ احمدؐ گوش بر آواز ہیں
پھول سے بکھرے پڑے ہیں پاس پاس
احمدؐی گلزار کے پھولوں کی بو
خاک پہ بیٹھی ہیں اب شہزادیاں
کیا کریں مجبور ہیں وارث نہیں
وارثوں کے خوں سے ہیں گیسو بھرے
خاک پر بیہوش بچے ہیں پڑے
بیکسوں کو آکے پرسا کون دے
ثانیِ زہرا کو پرسا دو چلو
آئے ہیں پرسے کو شہ کے سوگوار

ہائے شہزادی یہ تیری بیکسی — غربت و بیچارگی و بے بسی
کس تجمل سے وطن سے آئیں تھیں — ساتھ بچوں کو بھی اپنے لائیں تھیں
کر دیئے غربت میں بھائی پر فدا — بچ سکے پھر بھی نہ شاہِ کربلا
لاش پر بیٹوں کی اے بنتِ بتولؑ — تیرا کہنا "ہوگیا ہدیہ قبول"
ہاتھ اٹھا کر شکر خالق کا کیا — آنکھ سے قطرہ نہ آنسو کا گرا
آہ! لیکن جب حسینؑ ابنِ علیؑ — رن سے لائے لاشِ ہمشکلِ نبیؐ
ٹکڑے ٹکڑے تھے ترے قلب و جگر — کر لیا تھا روئے انور خوں سے تر
یوں تو ہفتم سے بلا کس وقت چین — آج تو دن بھر کئے لاشوں پہ بین
ہیں یتیم اب اور تری آغوش ہے — شاہزادی تو مگر خاموش ہے
دھیان ہوگا پھر نہ بچے سوئینگے — میں جو روؤں گی تو یہ بھی روئینگے
چونک کر مانگیں گے جب آب و طعام — کس طرح بہلاؤں گی میں تشنہ کام
ایک جانِ زار اور صدمے عظیم — چھوٹے چھوٹے سے ہیں بھائی کے یتیم
میری شہزادی فدا ہوں یہ غلام — تعزیہ داروں کا ہو تم پر سلام
تم کہاں کل اور یہ سونا بن کہاں — آج کی شب اور ہو یاں میہماں
بے کفن لاشے سبھوں کے چھوڑ کر — صبح کو کرنا ہے کوفے کا سفر
کیجیو بی بی نہ شہ کا انتظار — اب تمھیں عابدؑ کرائیں گے سوار
صبح سے ہوئے گا غربت کا سفر — ساتھ ہوگا نیزے پر بھائی کا سر
قتلِ شہ کی جابجا رستے میں دھوم — گرد ناقوں کے وہ خلقت کا ہجوم
ساتھ سب کنبہ گرفتارِ محن — سر برہنہ اور بازو میں رسن
آپ کا بیمار ہوگا ساربان — راستہ چلنے نہ دیں گی بیڑیاں
ضعف سے جس دم نہ اٹھیں گے قدم — تازیانہ شمر کا ہوگا علم
کل سے تم ہو اور ہیں جنگل اجاڑ — کیسے ٹوٹے ہیں مصیبت کے پہاڑ

میری شہزادی بقا تجھ پر فدا
راہِ غربت میں خدا حافظ ترا

"شہادت زارِ کربلا"

سرکار سید العلماء جناب سید علی نقی صاحب مجتہد مدظلہ

کسی کے دل میں اتنی طاقت ہے کہ وہ آج شہادت زارِ کربلا کی سیر کرے۔ ایک دل اُلجھانے والی خاموشی، ایک دم گھٹنے والی اُداسی وہ قافلہ جو دوسری محرم کو اس سرزمین پر اُترا تھا آج اپنا اسباب باندھ کر چلا جا چکا ہے اس لئے سناٹا چھایا ہوا ہے — یقیناً یہ منظر دل ہلا دینے والا ہے مگر انسان بھی عجیب چیز ہے۔ وہ ہر نئے حادثہ کی کیفیتیں دیکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ چاہے بعد میں اس کو تکلیف ہی پہونچے پھر بھی وہ واقعات معلوم ضرور کرتا ہے — جب ایسا ہے تو ذرا دل مضبوط کر کے میرے ساتھ چلو اور کربلا کے مختلف مناظر کی اس وقت سیر کرو۔

وہ دیکھو ایک بے شمار خیموں اور چھولداریوں کا سلسلہ جن میں سے اکثر میں چراغ روشن ہیں۔ اور وہ بہت سے خیموں کے جھرمٹ میں ایک بڑا خیمہ جس میں تیز روشنی ہے۔ ضرور یہ روشنی تمہاری نگاہ کو سب سے پہلے جذب کرے گی اس لئے چلو یہاں دیکھ لیں کہ کیا ہو رہا ہے — یہ یزیدی فوج کے سپہ سالار عمر سعد کا خیمہ ہے جہاں اس وقت فتح کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ تمام بڑے افسر جمع ہیں۔ پیغمبر اسلام کے نواسے کا تین دن کی بھوک پیاس میں خنجر ظلم سے گلا کاٹنے والے اپنے کارنامے پر ناز کر رہے ہیں اور ایک ایک شہید کی شجاعت کے تذکرہ کے ساتھ اسکے قتل کرنے والے کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ اگرچہ سیکڑوں خیموں سے اس وقت زخمیوں کی کراہ کی آواز اور بیسیوں سے مقتولین کے غم میں نالہ و شیون کی آوازیں بھی بلند ہیں مگر نتیجے کی کامیابی نے کانوں کو اس طرح کی آوازوں سے بند کر دیا ہے اور شراب ناب کے دور کے ساتھ فتح و ظفر کا نشہ سب کو بیخود بنائے ہوئے ہے۔

یقین ہے کہ تم سینہ میں ایک شریف انسانی دل رکھتے ہو اس لئے اس منظر کو دیکھ کر خوشی میں شریک ہونے کے بجائے نفرت و حقارت کے جذبات محسوس کرنے لگوگے۔

تمہارا ضمیر ملامت کرے گا اور تمہاری انسانیت چیخ اٹھے گی۔

بھلا وہ بھی کوئی فتح ہے جسے کم از کم تیس ہزار کی فوج بہتر بھوکوں اور پیاسوں کے مقابلہ میں اپنے لاتعداد سپاہیوں کو کھو کر جنگ مغلوبہ سے حاصل کرے۔ وہ بہتر جن میں سب لڑنے کے قابل بھی نہ ہوں بلکہ اُن میں اسی برس کا بڈھا اور چھ مہینہ کا بچہ بھی داخل ہو۔ کیا اس فتح پر ناز کرنا انتہا درجہ کی کم ظرفی اور پست نگاہی نہیں ہے۔ کیا یہ فتح حقیقتاً فتح ہے۔ نہیں نہیں وہ شکست ہے جس کا گرد ذلت اس فوج اور اس کی ظالم حکومت پر ہمیشہ کے واسطے

چھائی رہے گی۔

یہ خیالات یہاں کے طرب و نشاط کے سامان خوشی و مسرت کے شادیانوں اور نائے و نوش کی دلچسپیوں کو ایک حساس دل کے لئے بے کیف بنا دیتے ہیں۔ جی گھبرانے لگتا ہے اور بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ یہاں سے نکل کر میدان کی کھلی ہوا میں سانس لیکر غم غلط کیا جائے۔ ——

—— وہ دیکھو نہر فرات لہریں لے رہی ہے —— پانی دور پرسے نظر آرہا ہے کیونکہ راستہ صاف ہے۔ وہ پہرا جو تین دن سے اس پانی پر بیٹھا ہوا تھا اُٹھ چکا ہے۔ وہ ہزاروں سپاہیوں کے پہرے جو رات دن جمے رہتے تھے آج ہٹائے جا چکے ہیں۔ اس لئے کہ وہ شیر جن کے بیجان بنانے کے لئے پانی کی بندش ہوئی تھی اُبھر کر ساحل فنا کے اُس پار پہونچ چکے ہیں۔ دریا کا کنارا پریشان دل کے لئے سکون کی بہترین جگہ ہے —— مگر دریا کے ساحل پر خون کی بو آرہی ہے —— موت کے قدموں کے نشان ہر طرف نظر آتے ہیں۔ کسی شیر کے نعروں کی صدا اب تک گونج رہی ہے —— گرے ہوئے خون کا سلسلہ رہنمائی کرتا ہوا آگے لیجاتا ہے —— قدم ٹھٹھکتے ہیں دل دھڑکتا ہے ایک لامعلوم رعب کا احساس دور باش کی صدا دیتا ہے —— غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ترائی میں ایک شیر آرام کر رہا ہے۔ جس کے گرد و پیش بہت دور تک ساحل کی تمام بالو خون سے گندھی ہوئی ہے۔ جسم تمام زخموں سے چور ہے سر شگافتہ ہے۔ ہاتھ دونوں جسم سے جدا ہیں مگر کٹے ہوئے ہاتھ کے شانہ میں مشک کا تسمہ اب تک پھنسا ہوا ہے وہ مشک جس میں سوراخ ہے اور اُس کا پانی تمام بہہ چکا ہے جس نے بہادر کے جسم سے بہے ہوئے خون کی روانی میں اضافہ کرکے زمین مقتل کو دور تک رنگین بنا دیا ہے —— ڈھال تو بہت دور پڑی ہے مگر تلوار داہنے کے قریب ہے جھنڈا جو کبھی ہوا میں لہرا رہا تھا وہ اب زمین پر ہے مگر بہادر کا سینہ علم کا اب بھی محافظ ہے۔

یہ ہے علی کا شیر حسینؑ کا قوت بازو اور علمدار پیاسی سکینہ کا سقا قمر بنی ہاشم عباسؑ جو حسینی فوج کا سب سے آخری سپاہی تھا۔ جس نے سب سے آخر میں حسینؑ سے اجازت جہاد طلب کی مگر امام نے پھر بھی لڑنے کی اجازت نہیں دی۔ فقط بچوں کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی سبیل کرنے کا حکم دیا ——

وفادار عباسؑ کی یہ یادگار کامیابی تھی کہ وہ فوج کا پہرہ ہٹا کر مشک میں پانی بھر لینے میں کامیاب ہوئے۔ مگر افسوس کہ بھری ہوئی مشک کو لیکر خیمہ تک پہونچنا ممکن نہ ہوا۔ تیر نے مشک کو چھید کر تمام پانی بہا دیا اور عباسؑ نے سیکڑوں زخم کھا کر اپنے جسم کا تمام خون بہا دیا ——

عباسؑ مشک و علم کے ہوتے ہوئے بھی دشمن کے احساس میں بے بس نہیں تھے —— آخر دونوں ہاتھ جدا کر دیئے گئے۔ پھر بھی عباسؑ جب تک خود گھوڑے سے نہیں گرے علم کو زمین پر گرنے نہیں دیا —— مگر وہ علم اس کے بعد بھی حقیقت میں گرنے نہیں پایا۔ آج ہزاروں علم اُسی ایک علم کی یاد میں ہزاروں کاندھوں پر اُٹھ رہے ہیں اور ہر تعزیہ خانہ میں حسینؑ کے نام کی ضریح تو ایک ہوتی ہے مگر علم کثرت کے ساتھ نصب ہوتے ہیں —— یہ اشارہ ہے اس کا کہ عباسؑ کو دنیا

ہیں نہ رہے مگر ان کا علم آج تک اونچا ہے اور ہمیشہ اونچا رہے گا کیونکہ حق کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔

یہ منظر یقینی اگر ایک طرف دل میں جوش ولولۂ حق پر مرمٹنے کا حوصلہ پیدا کرتا اور رگوں میں خون کی روانی بڑھاتا ہے تو دوسری طرف ایک ایسے بہادر کی لاش کا یہ جانفرسا عالم دل کی رگیں بھی توڑنے لگتا ہے۔ بیساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ وہ آنسو جو بزدلی نہیں بلکہ بہادری کی قدر و قیمت کے احساس کا نتیجہ ہیں اور عزم و ہمت کی آگ کو افسردہ نہیں بلکہ اس کی شعلہ افروزی میں اور اضافہ کرتے ہیں۔

دل تو چاہتا ہے کہ حسرت کے اسی ایک منظر میں غرق ہو جاتے مگر ساحل کی بلندی سے صحرا کا گلگون تختہ صاف نظر آتا اور نگاہ کو کشاں کشاں اپنی طرف لے جاتا ہے۔

یہاں کوئی ایک ہی مرقع نہیں ہے جو توجہ کا مرکز بن سکے بلکہ سچ مچ "شہادت زار" تو یہی جگہ ہے۔ دور تک لہو کا چھڑکاؤ ہے۔ جا بجا خون کے تھالے بندھ گئے ہیں ــــ ٹوٹے ہوئے نیزے، شکستہ تلواریں، کٹے ہوئے تیروں کے انبار ہیں جو ادھر ادھر لگے ہوئے ہیں ــــ دشمنوں کے سر ہزاروں کی تعداد میں زمین پر لنڈھک رہے ہیں اور لاشے بھی بہت دور تک نظر آتے ہیں ــــ ان سب کے بیچ میں بہتر یا زیادہ سے زیادہ سو سوا سو نورانی جسم خاک و خون میں آلودہ اس عالم میں ہیں کہ کسی کا جسم تیروں سے چھلنی ہے، کسی کا سر گرز سے شگافتہ ہے، کسی کا پہلو خنجر سے چاک ہے اور کسی کا سینہ نیزے سے فگار ہے۔ ان میں ساٹھ، ستر اور اسی برس تک کے بوڑھے، اٹھارہ سے لیکر پینتیس برس تک کے جوان اور گیارہ بارہ برس تک کے کمسن بچے بھی ہیں ــــ ہاشمی خاندان کے جوانوں بلکہ بچوں تک کی سج دھج سب سے الگ ہے ــــ ان میں ایک چاند کا ٹکڑا تلوار کا پھل لگائے اس شان سے پڑا ہے کہ عمامے کے پیچ خون سے رنگین ہو کر لٹک آئے ہیں اور اس حسین چہرے پر سہرے کی طرح چھا گئے ہیں۔

ہاتھوں میں خون کی مہندی اور سینہ پر زخموں کی بدھی ہے۔ یہ ہے حسن کا یتیم اور حسین کا عزیز بھتیجا قاسم جسے رخصت کرتے وقت امام نے مرحوم بھائی کی وصیت کو پورا کرتے ہوئے اپنا داماد بھی بنا لیا تھا ــــ کربلائے معلی میں خیمہ گاہ کے اندر ان کی یادگار میں حجلۂ عروسی بنا ہوا ہے اور ہندوستان میں ان کی یاد میں ساتویں تاریخ مہندی اٹھتی ہے۔

ــــ انہیں کے پاس اٹھارہ برس کے کڑیل جوان کا لاشا ہے جس کے سہرے کے پھول کھلنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ علی اکبر ہیں جنہیں حسینؑ اس لئے بہت عزیز رکھتے تھے کہ وہ ہو بہو رسول اللہ کی تصویر تھے۔ ان کے رخصت ہوتے وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنے خالق کو گواہ کرکے کہا تھا کہ جب ہم زیارت رسول کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کے چہرہ کو دیکھ لیتے تھے۔

افسوس آج کے خوش عقیدہ مسلمان شبیہ نعلین رسول کی بھی جو کاغذ پر بنی ہو عزت کرتے ہیں مگر افسوس

وہ کیسے مسلمان تھے جنہوں نے خود رسول کی بیٹی جاگتی ہوئی شبیہ کا خیال نہ کیا ۔۔ وہ حسین اور مقدس جسم تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ۔

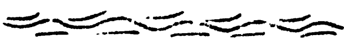
علی اکبرؑ کو دیکھتے ہی دل میں علی اصغرؑ کا خیال آتا ہے نہ چھ مہینہ کا بچہ جسے حسینؑ نے قربانگاہ شہادت میں سب سے آخر میں پیش کیا تھا ۔ جو پیاس سے جاں بلب تھا مگر پیاس اُس کی پانی سے نہیں بلکہ پیکان تیر سے بجھائی گئی ۔ ان کی لاش تلاش کرنے پر بھی شہیدوں میں نہیں ملتی ۔ ہاں وہ زمین پر ایک چھوٹی سی قبر بنی ہوئی ہے ۔۔۔ یہ اصغر کی تربت ہے، اس بچہ کو خود امام حسینؑ نے شہادت کے بعد ہی دفن کردیا تھا ۔ شائد اس لئے کہ امتِ رسولؐ کا یہ جرم اتنا سنگین تھا کہ فرزند رسول کی انسانی غیرت کو خود اس منظر کے سامنے رہنے سے شرم دامنگیر ہوتی تھی ۔۔۔

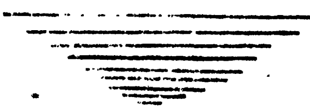
سب سے آخر میں نگاہ نشیب کی طرف جاتی اور وہیں ... رہ جاتی ہے ۔

یہاں ایک تقدس کا پیکر، نورانی شعاعوں کا خزانہ، خونیں شفق کے اندر چمکتا ہوا سورج، ایک ... جراحت ... ایسا پڑا ہے جس کا سر پہلے ہی جدا ہوچکا ہے اس لئے صورت سے تو پہچانا نہیں جاسکتا مگر زخموں کی کثرت بتلاتی ہے کہ تمام ... کا اصلی مقصد اور ... کا آخری مرکز یہی تھا ۔ شکستہ کمر ظاہر کرتی ہے کہ یہ وہ ہے جس کا ... کا بھائی مارڈالا گیا ۔ بازو تیر سے چھدا ہوا خبر دیتا ہے کہ وہ ہے جس کے ہاتھوں پر چھ مہینہ کا بچہ نشانۂ تیر ستم ہوا ۔ خون ... رنگین ہاتھ پتہ دیتے ہیں کہ وہ ہے جس نے بے شیر کا خون چہرہ پر مل لیا تھا ۔ سینہ پر نشان گھاؤ اور پشت کے پار اُس کا نشان بتلا رہا ہے کہ وہ ہے جس کے سینہ پر تیر پڑا تو سامنے سے نکل نہ سکا آخر پشت کی جانب سے اُسے کھینچا اور سینہ سے خون پرنالے کی طرح جاری ہوا ۔ جسم کے پارہ پارہ ٹکڑے اس کی دلیل ہیں کہ وہ ہے جس کا جسم بعد شہادت گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا ۔

ان خصوصیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہے شرافت کی جان، انسانیت کی روح، صداقت کا مجسمہ، پیغمبر اسلام کی نشانی، علیؑ کا فرزند حسینؑ جو کربلا کے مجاہدین کا سرگروہ اور اس ہمیشہ یاد رہنے والے کارنامہ کا اصلی ہیرو ہے ۔ جس نے جان دیدی مگر حق و صداقت پر آنچ نہ آنے دی ۔ جس نے عزت اسلام پر اپنی ہر چیز قربان کردی اور بقول خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کلمۂ لاالٰہ الا اللہ کی از سرِ نو بنا قائم کردی ۔

آج ہر سال دنیا کے تمام شرق و غرب میں محرم میں اُنھیں کا سوگ منایا جاتا ہے اور اُنھیں کی یاد ہے جو مختلف اندازوں پر برابر تازہ کی جاتی ہے اور تیرہ صدیوں سے ہر سال کے بعد دوسرے سال اُس میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہے ۔





زانکہ با سبطِ نبی ہم عدد آمد عباسؑ
۱۳۲ ۱۳۲

از جناب خان بہادر ڈپٹی سید احمد علی خاں صاحب احمدؔ

اصل انساں بود انسانیت اے نیک اساس
ورنہ انساں نہ بود بلکہ بتر از خناس

چیست انسانیت؟ اخلاق و پسندیدہ صفات
حسنِ اخلاق بود بہرِ بشر ریش و لباس

چیست اخلاق حمیدہ؟ صفت پاسِ حقوق
آدمی نیست بشر گر نہ بود فرض شناس

اولوالالباب شمارند چہ پہنائے حقوق
حقِ خود، حقِ خدا، حقِ نبی، حق الناس

می بدانی چہ بود حقِ خودش بر انساں
حفظِ جان، تزکیۂ نفسِ خود، نبض شناس

نفس را تزکیہ حاصل شود از اکلِ حلال
اجتناب از ستم و کذبِ مقال و انجاس

صاف از زنگِ نفاق و خللِ آئینۂ دل
طبع خالی ز خیالاتِ فضول و وسواس

حقِ معبود بود طاعت و شکرِ نعمت
رحم بر خلقِ خداوند بود اصلِ سپاس

ایں ہمہ خلق کہ آموخت۔ رسولِ عربی
زیرِ احسانِ عطایاش بود معشرِ ناس

حقِ او چیست؟ بر اخلاف، ولائے حسنینؑ
جاں نثاری بہ صفِ معرکہ نصرت دمِ یاس

نہ ادا کرد کسے حقِ نبی تا ایں دم
مثلِ سقائے حرم دلبرِ حیدرؑ عباسؑ

ضیغمِ بیشۂ ہیجا خلفِ شیرِ خدا
فارسِ عرصۂ ناورد۔ سپہرش فراس

خواجۂ دیں کہ ولائش پئے عرفاں معیار
خاصۂ حق کہ رضائش پئے غفراں مقیاس

قیصرش غاشیہ بردار، سلیماں چاوش
آئینہ دار سکندرش، ارسطو عکاس

بود ہمدردِ حسینؑ و حسنؑ از مہ ز ازل
زانکہ با سبطِ نبی ہم عدد آمد عباسؑ
۱۳۲ ۱۳۲

مرحبا شانِ تو عباس علمدارِ حسین
حبذا قدرِ تو اے نازشِ خضر و الیاس

ہمسرِ جعفرِ طیار بہ میدانِ نبرد
مفخرِ حمزۂ جرار بہ ہنگامۂ باس

بہ بہ اے ماہِ بنی ہاشم والامنزل
خہ خہ اے مہرِ سپہرِ عظمت چرخِ اناس

اے نہ ہر اوجِ تو افزوں بود از وہم و گمان
وے نہ ہر جاہِ تو بیروں بود از فکر و قیاس

در نگاہِ تو نیرزد بہ جوے سیم و طلا
بلکہ کمتر ز خزف پیشِ تو لعل و الماس

کے مقابل بہ تو اے شیر بود رستم و زال
فربہی چیز دگر باشد و دیگر آماس

بادپا اشہبِ تو گر بزند گامے چند
طے کند راہِ دو صد سالہ درد و انفاس

از نگاہِ تو ہراساں چو برہ پیلِ دماں
وز نہیبِ تو گریزاں چو گراز ست فراس

بادبانست پے کشتی او دامنِ تو
زائرت را بود از بادِ مخالف چہ ہراس

حرفے از ہمت والائے تو ناید بہ رقم
گر ہمہ نخل قلم گردد و قلزم انقاس

مثلِ تو بیند و شنود نگہے دیدہ و گوش
ذاتِ تو داند و فہمد نہ دمے ہوش و حواس

یابد از درگہِ تو دولتِ فغفور فقیر
گیرد از خسرگہِ تو رفعتِ محمود ایاس

نبلۂ چاکرِ شیدائے ترا اے آقا
آسماں می نتواند کہ بساید چوں آس

دست بردار گدائے درت از مال و عنال
کفش دارِ تو لکد زن بہ نقود و اجناس

احمد از فیضِ تو شد فارسِ میدانِ سخن
گفتۂ خامہ کمیت است و مجالش قرطاس

عرضِ حاجت بہ تو اے بابِ حوائج چہ ضرور
نیتم نیک بدانی و تو ئی قدر شناس

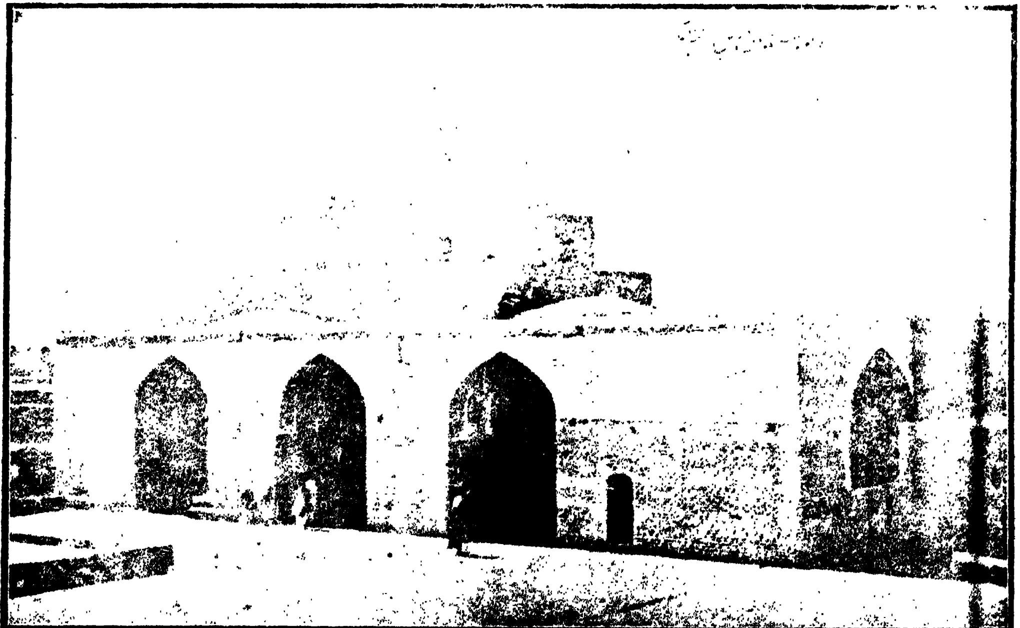


السلام علیک یا ابا عبدالله روحی لک الفداء



روضه حضرت ابوالفضل العباس علیه السلام


زندان شام
بعد شہادت حسینؑ اس جگہ یزید نے اہل بیت کو قید کیا تھا



کامیابی کا قرآنی معیار

فرات کے کنارے فوجیں نہیں بلکہ اصول صف آرا تھے

جناب علامہ سید ابن حسن صاحب رضوی جارچوی مدظلہ

محرم کا مہینہ آگیا؟ اب ہر صداقت کوش دل ماتم کدہ بن جائے گا' اور ہر خدا پرست اور حق گو زبان یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیما کہنے لگے گی۔

تاریخ کے آئینہ میں جب ہم سانحہ کربلا کا منظر دیکھتے ہیں تو پہلے تو ہم کو چند بوسیدہ خیمے دکھائی دیتے ہیں جو دریا سے دور تپتی ہوئی ریت پر ایستادہ ہیں' پھر ان تشنہ لب بچوں اور سوگوار عورتوں کی گلوگیر آوازیں سنائی دیتی ہیں جن کو مصائب و آلام کے وفور نے بے حواس کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ایک مختصر سی فوج نظر آتی ہے جو اپنے سردار کے حکم کی منتظر ہے۔ دن چڑھتا جا رہا ہے۔ بہادر اور جانباز ساتھی ایک ایک کے میدانِ جنگ کی طرف جاتے ہیں۔ فوجوں کی کالی گھٹا میں تلواروں کی بجلیاں چمکتی ہیں' تیروں کا مینہ برستا ہے' خون کے ندی نالے بہہ نکلتے ہیں۔ مگر ایک آخر ایک ہی ہوتا ہے کب تک لڑے اور کہاں تک دادِ شجاعت دے۔ کوئی سم آلود تیر' نیزہ کی انی یا تلوار کا وار اس کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ صبح سے دوپہر تک یہی نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ قاسمؑ' عونؑ و محمدؑ' علی اکبرؑ اور عباسؑ بھی رخصت ہو کر فوج مخالف کی طرف بڑھے اور ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھا کر اس دنیا سے گزر گئے ؎

کبھی لاش اٹھائی کبھی رو دیئے
اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے

اب دن ڈھل رہا ہے۔ حسینؑ ایک ننھی سی لاش سپردِ خاک کر رہے ہیں' اس شیر خوار مجاہد کو ذرا غور سے دیکھئے چہرہ کیا ہے' کمہلایا ہوا پھول اور گہنایا ہوا چاند ہے' کرتا اگلے ہوئے دودھ سے نہیں بلکہ خون سے بھرا ہوا ہے'۔ آہ کون سنگدل تھا جس نے چھ مہینے کی جان پر بھی رحم نہ کیا۔۔۔۔۔۔

آفتاب مغرب کی طرف ذرا اور بڑھا۔ سائے لمبے ہونے لگے۔ فوجیں چاروں طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو گئیں' سارا میدان غبار آلود ہے۔ تکبیروں کی آوازیں بلند ہو رہی

ے ا اے کربلا کے شہیدو! کاش ہم آپ کے ساتھ ہوتے اور اس معراج کامیابی پر فائز ہونے کا شرف حاصل کرتے۔

ہیں۔ دیکھنا سامنے نیزے پر کیا چیز بلند ہوئی۔ یہ حسینؑ مظلوم کا سر اقدس ہے۔ لو خیمے تاراج کئے جارہے ہیں۔ لاش مبارک پر گھوڑے دوڑانے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔

شام ہونے لگی۔ عمر سعد کے لشکر میں شادیانے بج رہے ہیں۔ امام مظلوم کی خاک و خون آلودہ سپاہ رن میں پڑی ہے۔ خیام اہل بیت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ ایک ایک کر کے سب نذر آتش ہو گئے۔ صرف راکھ کے چند ڈھیر نظر آتے ہیں۔ جن کے گرد داغ یتیمی اُٹھائے ہوئے چند بچے اور چند پریشان حال عورتیں مصروف غم و اندوہ ہیں۔ ایک طرف خاک پر ایک بیمار غشی کے عالم میں پڑا ہے۔ بے بس و بیکس کاروان کا اب یہی نگراں و نگہبان ہے۔ نظر اٹھاکر ذرا سامنے دیکھئے نیزوں پر بہت سے سر بلند ہو گئے۔ فوجی باجے زور زور سے بجنے لگے۔ فرات کے کنارے ایک شامیانے کے نیچے عمر سعد کرسی پر بیٹھا ہے اور لوگ اس کو فتح و ظفر کی مبارکباد دے رہے ہیں۔

کامیابی کا سہرا تو عمر سعد کے سر رہا۔ فتح و ظفر تو کوفی لشکر کو حاصل ہوئی۔ پھر یہ دست بسینہ، چشم پُرنم عزادار شہیدان کربلا کس کامیابی میں حصہ لینے کی تمنا کرتے ہیں۔ خدایا تو نے فرمایا تھا۔

ان حزب اللہ ھم الغلبون (بیشک اللہ کی فوج غالب آتی ہے)
انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا (ہم یقیناً اس دنیا میں اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی نصرت کرتے ہیں)

پھر یہ کیا ہوا کہ طاغوتی قوتیں غالب آگئیں۔ ظلم و استبداد نے کامیابی حاصل کی اور حق بے یار و مددگار رہ گیا۔ اور یہ حسینؑ ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔ بلکہ نوحؑ، ابراہیمؑ، ذکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰؑ سب کے سب دشمنوں کے ظلم و ستم سے پریشان نالاں رہے۔ ایک طرف تو فرماتا ہے۔

لاغلبن انا ورسلی (میں اور میرے فرستادہ یقیناً غالب ہیں گے)
اور دوسری طرف انبیا و مرسلین کے مصائب کی دل ہلادینے والی داستانیں سُناتا ہے۔ کیا تضاد و اختلاف کا یہ مظاہرہ قرآن مجید کے "منزل من اللہ" ہونے کے دعوے کو مشکوک نہیں کر دیتا۔ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً (اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے)

اقتدار پرست اور سرمایہ دوست انسان کسی شخص کی کامیابی کا اندازہ اس کے ظاہری جاہ و جلال، تسلط اور اقتدار سے لگاتے ہیں۔ ان کے نزدیک سونے چاندی کا ڈھیر، یا قوت و الماس کا انبار، آہن پوش فوجوں کا ہجوم اور زیرنگیں ملکوں کا طول و عرض جس قدر بڑھتا جاتا ہے کامیابی میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے —— لیکن خدا کے نزدیک ملکوں کی تاخت و تاراج، خزانوں کی لوٹ مار اور ایک قوم پر دوسری قوم کے تسلط کا نام فتح نہیں۔ وہ بلند و برتر اور مفید و بہتر اصول زندگی کے غلبہ کو فتح کہتا ہے۔ اور یہ غلبہ فوجوں کی مدد، ہتھیاروں کے استعمال اور مکر و فریب سے نہیں بلکہ افہام و تفہیم، تعلیم و

تلقین اور تبلیغ و تشویق سے حاصل ہوتا ہے۔ کشورستان اور ملک گیر، تیر و شمشیر، توپ و تفنگ، سلب و نہب، قید و بند اور زہر و قتل کے سامان لے کر نکلتے ہیں۔ مگر دل کی دنیا، من کے سنسار اور کائناتِ قلب کے تسخیر کرنے والوں کے پاس صبر و استقلال، ایثار و قربانی اور ضبطِ نفس و وسعتِ نظر کا متاعِ گرانمایہ ہوتا ہے۔ ملک گیری کی عظمت ظلم و ستم کے نت نئے مظاہروں سے قائم ہوتی ہے اور دل کی دنیا میں انقلاب لانے والے اپنی عدیم النظیر قوت برداشت کے ذریعہ سے اپنا سکہ جماتے اور سربلندی حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر پرست دنیا سکندر، ہنی بال، چنگیز، ہلاکو اور نپولین کو کامیاب انسان سمجھتی ہے مگر خدا فرماتا ہے والعصر ۰ ان الانسان لفی خسر ۰ الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر ۰ (زمانہ شاہد ہے کہ سارے کے سارے انسان گھاٹے میں ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے، عمل صالح بجالائے اور حق اور صبر و استقامت کی لوگوں کو تلقین کرتے رہے) اس آیت کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ دیکھئے خداوند عالم ٹڈی دل لشکروں کے جرنیلوں، قارون صفت سرمایہ داروں اور فرعون اعمال شہنشاہوں کو کامیاب انسان نہیں کہہ رہا ہے وہ تو سب گھاٹے میں ہیں۔ کامیاب صرف وہ ہیں جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں، عمل صالح کا خزانہ رکھتے ہیں اور صبر و استقامت کی فوجیں ان کے ساتھ ساتھ ہیں وہ نہ صرف خود صابر و شاکر ہیں، بلکہ دوسروں کو اس صراطِ مستقیم پر چلنے کی وصیت و نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ زرین تاج زیب سر کرنے والے، جواہر نگار تخت پر بیٹھنے والے دولت صبر و استقامت رکھتے ہی نہیں تو دوسرے کو دیں گے کیا۔ سربفلک محلوں کی رنگین فضا میں ناز و نعم سے پلنے والوں کو صبر و استقامت اور ایثار و قربانی سے کیا کام۔ یہ حوصلہ تو ان شہداء راہ خدا کا ہے جو شروع ہی سے سختیاں جھیلنے کے عادی بنتے ہیں اور زمانے کے سرد و گرم اور نشیب و فراز کا تجربہ ان کو پختہ کار بناتا ہے ایمان و ایقان کی جو حرارت ان کے قلوب کو گرماتی ہے اس کا اثر ان کے پاس بیٹھنے والوں پر بھی پڑتا ہے اور یوں شمع سے شمع اور چراغ سے چراغ روشن ہوتا چلا جاتا ہے (تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر)۔ فرات کے کنارے حسینؑ اور ان کے سرفروش صحاب پر ایک نگاہ ڈالئے۔

تین شب و روز کی بھوک اور پیاس نے ان کے عزم و ارادے میں تزلزل نہیں پیدا کیا۔ رفقاء کی قلت، اسباب و ذرائع کی کمی، فوج مخالف کی بے رحمی اور بے آئینی صاف بتا رہی ہے کہ موت قریب ہے۔ مگر نہ ان کے چہرے پر اداسی ہے نہ اضمحلال بلکہ جیسے جیسے مصائب و آلام کا ہجوم بڑھتا جاتا ہے ان کا چہرہ فرط ذوق و شوق سے تمتمانے لگتا ہے۔

اللہ اللہ کسی کا حوصلہ ہے کہ تیروں کی بارش اور تلواروں کے سایہ میں اس طمانیت و سکون سے نماز ادا کرے۔ زخمی ہاتھوں نے جلتی ہوئی خاک پر تیمم کیا اور خون آلودہ پیشانیاں مجروح و بیکس امام کی اقتدا میں سجدۂ خالق میں جھک گئیں۔ سامنے فوجوں کا غل و شور اور جنگی باجوں کی آوازیں تھیں اور پیچھے خیام اہل بیت کا دلدوز اور روح فرسا

منظر تھا اور ان نمازیوں نے کس خضوع و خشوع کے ساتھ سجدہ خالق کو تمام کیا کہ نہ باجے ان کی توجہ کو جذب کر سکے نہ خیام کا حسرتناک منظر' نہ تیروں کا خوف ان پر غالب آیا اور نہ زخموں کی شدت نے ان میں کمزوری پیدا کی۔ دنیا تاقیامت ایسے امام پر ناز کرے گی کہ جس نے فوجوں کے نرغے اور تلواروں کے سایہ میں بھی نماز جماعت پڑھائی اور عصر کے وقت جب جماعت کو موت کے خنک ہاتھوں نے تھپک تھپک کر سلا دیا تو تنہا آخری سجدے کے لئے محراب خنجر میں جھک گئے۔ سلام اللہ علی الحسین والہ وابائہ

خدا نے اپنے اور اپنے رسولوں کے جس غلبہ کا ذکر کیا ہے اس کا راز دشت کربلا ہی میں عریاں ہوتا ہے حسینؑ کے میدان عمل میں آنے سے پہلے قوت پرستی کا مرض عام ہو رہا تھا۔ ہر وہ شخص جو چند زر پرست فوجوں کی مدد سے مادی غلبہ حاصل کر لیتا تھا امیر المومنین بن بیٹھتا تھا۔ حسینؑ نے اپنا اور اپنے رفقا کا سر کٹا کر ظاہری طور پر شکست کھا کر یہ بتا دیا کہ اصول کی فتح مادی قوتوں کی محتاج نہیں' الحق یعلو و لا یعلی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دولت و ثروت' حکومت و سلطنت ہمیشہ حق پرستوں کے ہاتھ میں رہی ہو اور راست بازوں اور صداقت شعاروں کے علم ہمیشہ سربلند اور باطل پرستوں اور ناحق کوشوں کے جھنڈے ہمیشہ سرنگوں ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ غلبۂ حق کے معنی یہ ہیں کہ گو زبانیں اس کا انکار کرتی رہیں سر اس کے سامنے جھکنے سے بیزاری ظاہر کریں۔ مگر دل کی دنیا اسی کی طرف مائل ہو اور کشور قلب پر اسی کا علم لہرا رہا ہو۔ عرب کے مشہور شاعر فرزدق نے غلبۂ حق کی تصویر کشی کس خوبصورتی کے ساتھ کی ہے:۔

"مولا میں نے اہل کوفہ کو اس حال میں چھوڑا ہے
کہ دل ان کے آپ کے ساتھ اور تلواریں یزید
کے ساتھ ہیں"

تاریخ کے صفحات دیکھئے۔ امام حسین علیہ السلام کے غلبہ کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا کہ جس تخت سے ان کے قتل کا فرمان صادر ہوا تھا اسی تخت پر ان کے حقوق کا اعتراف کیا گیا۔

زار شام کے رسوائے عالم — یزید کا دور ختم ہو چکا اب دمشق میں معاویہ بن یزید کے جشن تخت نشینی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ قبیلوں کے سردار' فوجوں کے جرنیل' امرار اور روسار دربار میں جمع ہیں ہر ایک کی نظر حرسرا کی طرف لگی ہوئی ہے۔ یکایک پردہ اٹھا اور ہونے والے خلیفہ برآمد ہوئے۔ ارباب حل و عقد نے ان کو ہاتھوں ہاتھ مسند تک پہونچایا اور مناسب و برمحل تمہید کے بعد عنان خلافت سنبھالنے کی درخواست کی۔ معاویہ نے "باچشم پرنم و آواز گلوگیر" حسب ذیل اعلان کیا:۔

"لوگو! میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ مجھ کو ایک عظیم الشان سلطنت کا وارث بنا رہے ہیں' مگر میں اپنے آپ کو اس منصب جلیل کا اہل نہیں سمجھتا۔ یہ بنی فاطمہؑ کا حق ہے' میرے باپ دادا نے اس کو غصب کر لیا تھا۔ ان کے نقش قدم پر چل کر میں اپنے آپ کو جہنم کا کندہ نہیں بنانا چاہتا۔ اس

صلح نامہ کی رو سے جو میرے دادا معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان ہوا تھا یہ حکومت امام حسینؑ کا حق تھی' افسوس وہ دنیا میں موجود نہیں اب میں ان کے فرزند علیؑ کو اس منصب کا مستحق سمجھتا ہوں"۔

یہ کہہ کر معاویہ بن یزید حرم سرا کی طرف چلے گئے اور حاضرین ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔

آج معاویہ بن ابی سفیان ہوتے' اور دیکھتے کہ وہ حکومت جو انھوں نے خدا اور رسولؐ کا مقابلہ کر کے قائم کی تھی' جس کو خاندانی میراث بنانے کے لئے انھوں نے زمین و آسمان ایک کر دیئے تھے۔ جس کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے ہزاروں مسلمانوں' سیکڑوں صحابہ اور بیسیوں بنی ہاشم کا خون بہانا پڑا تھا' اس وقت ان کے گھر سے نکل رہی ہے۔ خیر حکومت تو کیا رہتی کہ یہ ڈھلتی ہوئی دھوپ کی طرح ہے' خاندان تک کا نام ونشان مٹ گیا۔ اور چند سال کی رنگ رلیوں کا کفارہ اس طرح ادا کرنا پڑا کہ ان کا اور ان کے خاندان کا نام گالی کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف آلِ محمدؐ کو دیکھئے وہ آج بھی دنیا کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ ان کا جاہ و جلال لازوال ہے اور غلبۂ استیلا ردائمی۔ جن لوگوں نے کربلا' نجف' کاظمین اور مشہد میں ہاشمی و فاطمی دربار دیکھے ہیں وہ۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں اور جو لوگ دمشق میں معاویہ اور یزید کے مرگھٹ کی کس مپرسی اور ذلت و خواری کا نظارہ دیکھ چکے ہیں وہ لاغلبن انا ورسلی اور حزب اللہ ہم الغلبون کی تصدیق کرنے پر مجبور ہیں۔

بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو سانحۂ کربلا کو فوجوں کی جنگ سمجھتے ہیں۔ وہ تو دراصل دو متضاد و مخالف طریق فکر کی آویزش تھی۔ ایک طرف وہ مقدس و متبرک ذات تھی جو اللہ کو کائنات کا خالق اور قانون ساز اور قرآن شریف کو دستورِ حیات سمجھتی تھی' دوسری طرف وہ بے باک آدمی تھا جو بادشاہ کو مالکِ ارض اور اس کے منہ سے نکلے ہوئے حکم کو قانون تصور کرتا تھا۔ فرات کے کنارے بظاہر نیزے بلند تھے' تلواریں چمک رہی تھیں' تیر چل رہے تھے' گھوڑوں کے ہنہنانے' فوجی نعروں اور جنگی باجوں کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی' مگر دراصل صرف دو متضاد نظریئے اور مخالف اصولِ حیات ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے' اگر شکست و فتح کا اندازہ مادی نقصان سے کیا جاتا ہے تو حسینؑ کو یقیناً شکست ہوئی۔ ایک عابد بیمار' چند بچوں اور عورتوں کے سوا ان کے طرفداروں میں کوئی باقی نہ بچا۔ ان کے خیمے جلا دیئے گئے۔ سامان لوٹ لیا گیا اور ان کے بچے کھچے اعزا اسیر ہو کر دربارِ عام میں پیش کئے گئے لیکن اگر یہ سچ ہے کہ میدانِ جنگ کا نقصان اخلاقی اور تخلیقی قوتوں کو بیدار کر دیتا ہے' زندگی فنا سے نا آشنا ہے اور نقشِ حیات مٹ مٹ کر اُبھرتا ہے" تو حسینؑ نے جو کچھ کھویا اس سے زیادہ پا لیا۔ ان کی اس دردناک اور مظلومانہ شہادت نے عالم اسلام ہی نہیں بلکہ ساری متمدن دنیا میں ایک آگ سی لگا دی' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہر دل ان کی داستان مصیبت سنکر تڑپا اور ہر آنکھ ان کے مصائب پر گریاں ہوئی۔

دماغ بے چین ہو گئے، احساسات میں اضطراب اور جذبات میں تلاطم پیدا ہوا۔ پہلے تو دم گھٹنے لگا پھر سانس میں آگ کی سی گرمی پیدا ہوئی۔ خون گرمایا اور کھولا اور لوگوں کو چپکرا چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور ایک سے دو، دو سے تین اس کیفیت سے متاثر ہوتے گئے یہاں تک کہ غم و غصے کے یہ جذبات جب عام ہو گئے تو انقلاب ایک سخت دھماکے کی شکل میں نمودار ہوا۔ قوتیں ٹکرائیں، اجسام متصادم ہوئے، فضا "یا لثارات الحسین" کے نعروں سے گونجنے لگی، نظام کہنہ کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور زندگی کے نئے سوتے پھوٹ نکلے۔

آج جو دنیا آزادی کے چند سانس لے رہی ہے اور علم و عرفان کی جو تھوڑی بہت روشنی نظر آرہی ہے وہ اسی شہادت عظمیٰ کا صدقہ ہے۔ حسینؑ شہید نہ ہوتے تو ساری دنیا یزیدی ہو کر یزیدیت کو تسلیم کر لیتی اور بزم انسانی پھر اسی تاریکی میں ڈوب جاتی جس سے اسلام نے اس کو نکالا تھا۔

یہ ہے وہ "فوز عظیم" جس پر حسینؑ فائز ہوئے اور جس پر فائز ہونے کی آرزو آج تک ہر مومن دل میں گھر کئے ہوئے ہے۔

یا لیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیما

سلام

شاعر اہلبیت سید اولاد حسین صاحب سجادؔ مرحوم نور اللہ مرقدہٗ آپ پُرگو شاعر تھے غزل میں جلالؔ لکھنوی اور مراثی میں ثابتؔ جونپوری کے شاگرد تھے، آپ کی تصانیف میں سے ساغر محبوبی - آئینہ ماتم اور واسوخت سجادؔ شائع ہو چکی ہیں۔ داعی اجل آپکے مراثی کے شائع ہونے میں مانع ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں آپ مرض انفلوئنزا کے شکار ہو کر حجاب بدی میں روپوش ہو گئے آپکے خلف الصدق ڈاکٹر سید منظور مہدی المتخلص بہ منظورؔ بفضلہ مرثیہ گو ہیں۔ وطن فرخ آباد ہے مرحوم نے سکونت رائے پور سی پی میں اختیار کی تھی۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ مرحوم کی روح کو ایک سورۂ فاتحہ سے شاد فرمادیں۔

علیؑ اللہ ہے مولا علی مرتضیٰ تم ہو
خدا کا جسیہ دھوکا ہو گیا وہ با خدا تم ہو

نبیؐ نے درمیانِ دو کمان دیکھا کہ کیا تم ہو
مکاں سے لامکاں تک یا علیؑ جلوہ نما تم ہو

خدا نے تیغ بھیجی اس لئے دستِ خدا تم ہو
تمہاری سیف ہے لاسیف مولا لا فتیٰ تم ہو

اِدھر مطلوب اُدھر طالب علی ابنِ ابیطالبؑ
اِدھر لبیک اُدھر صاف ادن منی کی صدا تم ہو

نبیؐ کے بعد تم محبوبیت میں نقشِ ثانی ہو
کہ وہ محبوب ہے محبوبؐ محبوبِ خدا تم ہو

اسی باعث نہ اولاد نرینہ چھوڑی حضرت نے
کہ تاج و تخت کے وارث بجائے مصطفیٰ تم ہو

خدا کے گھر میں تم پیدا ہوئے یہ خوف ہے مجھکو
نصاریٰ یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ فرزندِ خدا تم ہو

چڑھا کر اپنے کاندھے پر نبیؐ نے کر دیا روشن
بنی آدم میں بالا سب سے بعد مصطفیٰ تم ہو

شجاعت خود یہ کہتی ہے کہ ہر غالب پہ غالب ہو
سخاوت کا مقولہ ہے مرے حاجت روا تم ہو

تمھیں جبریل سے استاد نے استاد مانا ہے
ہو تم استاد کل، باب علوم مصطفیٰ تم ہو

مرے مشکلکشا سجادؔ کو دکھلا دو وہ جلوہ
سر اُس کا ہو وہ ڈیوڑھی ہو جہاں رونق فزا تم ہو

تیرے قبضہ میں رہا تا حشر میدان وفا

(از جناب سید لائق علی صاحب ہنر لکھنوی)

اے زہے عباسؑ اے شیر نیستان وفا
تیرے قبضہ میں رہا تا حشر میدان وفا

ذرہ ذرہ یہ لب ساحل کا دیتا ہے صدا
تیرے افسانے سے ہے رنگین دامان وفا

تو نے جنگل کو بنایا فخر گلزار ارم
خون سے شاداب ہے تیرے گلستان وفا

تو نے دنیائے حقیقت میں اُجالا کر دیا
اے بنی ہاشم کے چاند اے مہر تابان وفا

ہے ترا ہر فعل تعلیم امامت کا سبق
ہے ترا ہر قول اک تفسیر قرآن وفا

تیرا ہر نقش عمل راہ محبت کا چراغ
تیرا ہر قطرہ لہو کا ماہ تابان وفا

تیرے در پر سجدے کرتے ہیں جن انس و ملک
فرش سے تا عرش پھیلا نور ایمان وفا

کیوں نہ اپنا سر جھکائیں تیرے در پر اہل دل
وہ غلامان وفا ہیں تو ہے سلطان وفا

سرخیٔ افسانۂ اہل وفا ہے تیرا ذکر
دلبر زہراؑ علیؑ کے لعل اے جان وفا

عرش سے بہر زیارت آتے ہیں حور و ملک
فخر فردوس بریں ہے تیرا ایوان وفا

داغ ماتم کے نہیں ہیں سینۂ عشاق پر
یہ کھلیں ہیں پھول ہر شاداب بستان وفا

ہائے شیدائے سکینہؑ ہائے عباسؑ جری
روئیں گے تجکو یہ کہکر جانثاران وفا

نہر پر جا کر نہ اک قطرہ پیا پیاسا رہا
تھا یہ اُلفت کا تقاضا تھی یہی شان وفا

شانے کٹنے پر بھی تھا تجکو سکینہ کا خیال
پانی بچ جائے کہ پیاسی سے ہے پیمان وفا

وائے حسرت تیر سے مشک سکینہؑ چھد گئی
یوں کیا اہل ستم نے خون ارمان وفا

آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہیں غم عباسؑ میں
یا برستا ہے فلک سے ابر نیسان وفا

گوہر اشک عزا اے کربلا تجھ پر نثار
ہے ترے آغوش میں گنج شہیدان وفا

اب فلک سے ہو گئی اونچی زمین کربلا
عرش سے جا کر ملی ہے حد امکان وفا

قبر سے اپنے ہنر کو بھی بلا لینا ضرور
جب بلائے جائیں محشر میں غلامان وفا

"شیعہ بچوں کا ترانہ"

(از شاعر آلِ محمدؐ جناب سیّد قائم رضا صاحب نسیم مدظلہ)

(ہم چند احباب سے اپنی اس نظم کا ذکر کر رہے تھے جو سرفراز محرم نمبر میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے - برخوردار شمیم حیدر سلمہ (جو صرف آٹھ برس کے ہیں اور ابھی سے ہماری پیش خوانی میں نہایت بیباکی کے ساتھ منبر پر رُباعیاں پڑھتے ہیں) ہماری گفتگو سن کر بولے کہ ہم بھی اپنے شعر محرم نمبر کے اخبار میں چھپوائیں گے۔ چنانچہ ہم نے ان کے لئے چھوٹی بحر اور آسان لفظوں میں "شیعہ بچوں کا ترانہ" کہا ہے جو ابوالفضل العباس نمبر میں اشاعت کیلئے بھیجا جا رہا ہے۔ نسیم) ——— (ہم جناب نسیم کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ موصوف نے "ابوالفضل العباس نمبر" کے لئے شیعہ بچوں کا ترانہ روانہ فرمایا ہے قارئین نظارہ کو چاہیئے کہ اس ترانہ کو ہر شیعہ بچّہ کو زبانی یاد کرادیں ———→ فضل)

جو دل کربلا سے لگائے ہوئے ہیں
قدم ہر بلا میں جمائے ہوئے ہیں

مصائب کی آنکھوں میں ڈالے ہیں آنکھیں
حوادث سے پنجہ لڑائے ہوئے ہیں

کچھ اس ہمہے سے دبایا ہے ہم نے
کہ ظلم و ستم تلملائے ہوئے ہیں

مقدر پلٹتے ہیں بازو ہمارے
یہ عباسؑ سے درس پائے ہوئے ہیں

سنانِ الم کیوں نہ سینوں پہ روکیں
کہ اکبرؑ کو دل میں بسائے ہوئے ہیں

ہر اک تیرِ غم کھائیں اور مسکرائیں
یہ اصغرؑ کے رستے بتائے ہوئے ہیں

سبق ہم کو دیتے ہیں عون و محمد
جو سیفِ خدا کے پڑھائے ہوئے ہیں

جھکیں گے وہ کیا اہلِ باطل کے آگے
جو سر راہِ حق میں جھکائے ہوئے ہیں

ہماری اذانوں کے پُرجوش نعرے
خدا کی خدائی پہ چھائے ہوئے ہیں

نمازوں کا پنجہ ۔ ولا کا پھریرا
یہ عظمت کا پرچم اُٹھائے ہوئے ہیں

اُبلتے ہیں دل سے تولّا کے چشمے
کہ سینے سے قرآں لگائے ہوئے ہیں

عرب کے دلوں پر ہمارا ہے سکّہ
عجم بھی ہمیں آزمائے ہوئے ہیں

بھڑک کر جو باطل کا خرمن جلادے
وہ آگ اپنے دل میں دبائے ہوئے ہیں

ترقی کے گُل چُن رہا ہے زمانہ
یہ گلشن ہمارے بسائے ہوئے ہیں

چراغ حقیقت ہوا جس سے روشن
اسی شمع سے لَو لگائے ہوئے ہیں

بھلایا جنھیں دل سے دنیا نے اکثر
وہ اب تک دلوں میں سمائے ہوئے ہیں

اُنھی کی تاسّی میں بنتی ہے قسمت
جو ایماں کی بگڑی بنائے ہوئے ہیں

پیام عمل گرم آنسو ہمارے
یہ قطروں میں طوفاں سمائے ہوئے ہیں

کیا ہم نے انساں میں احساس پیدا
یہ مُردے ہمارے جلائے ہوئے ہیں

نسیم اللہ اللہ یہ ذوقِ تصوّر
کہ خاروں میں ہم گُل کھلائے ہوئے ہیں

"فتیان الصباح"

(از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

حق و باطل کا حشر خیز معرکہ کربلا کے آتش ناک ریگستان میں اپنی مجموعی ہولناکیوں کے ساتھ جاری ہو چکا ہے۔ آفتاب کے آتش بار سائے میں حق و صداقت کے اِنے گنے چند متلاشی اپنا پاک لہو پانی کی طرح بہا بہا کر مردانگی کے عدیم النظیر جوہر پیش کرنے میں کچھ ایسی بے جگری سے مشغول ہیں کہ انھیں تین شبانہ روز کی بھوک پیاس سست کر سکی ہے نہ باطل نوازوں کی بڑھی ہوئی طاقت مرعوب کرنے میں شمہ بھر بھی کامیاب ہو سکی ہے ایک حوصلہ افزا ولولہ ہے جس نے اُن سرفروشوں کی جاں نثاری و فداکاری کے شریفانہ جذبہ میں قیامت کا جوش و ثبات پیدا کر دیا ہے اور وہ عروس شہادت کے شوق طلب میں دیوانہ وار آتش حرب ضرب میں بے چھاندھپاند کر دشمنوں کی ایمان کش تلواروں پر گلے رکھ رہے ہیں!

ان جوانمردوں کے برخلاف ظاہری فتح و ظفر کے خواہش مند وحشیانہ ظلم و استبداد اور انسانیت سوز مظالم و بربریت کی نمود و نمائش میں محو و منہمک ہو کر اقتضائے آدمیت کو بھی فراموش کر بیٹھے ہیں! ——

وہ عفریت خوئی اور درندگی کے مظاہرات میں ہر ممکن اضافہ کرتے جاتے ہیں۔ شاید اُن کے عقل و ادراک سے بے نیاز دماغوں میں اس باطل خیال نے گھر بنا لیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی سختیاں مستقل انسان کو بھی مضطرب الحواس بنا کے بے پناہ طاقتوں کے سامنے جھکا سکتی ہیں! لیکن تجربات کی بہترین کسوٹی خدا دشمنوں کی بڑھتی ہوئی تدبیروں کو غلط ثابت کرتے ہوئے اُن کے جابرانہ جذبات میں غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔ وہ پاگل گیدڑوں کے مانند غرّا غرّا کر کے مٹھی بھر پیاسے بازوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں ان کی خوں نشاں تلواریں جگر شگاف تیر سے دل شکن سوفار اور مختلف اقسام کے حربے حق کوشوں پر عام ہو جاتے ہیں جس سے عرصہ قتال میدان حشر کا نمونہ بن جاتا ہے۔

یہ سخت و زہرہ گداز حملے بھی اپنا زور و شور ختم کر کے تھم جاتے ہیں، جیسے متلاطم سمندر کی فلک بوس موجیں ساحل سے سر ٹکرا ٹکرا کے فنا کی آغوش میں آسودہ ہو جاتی ہیں لیکن ساحلی چٹانوں کے سکون و استقامت میں کسی قسم کا ہرج واقع نہیں ہوتا۔

باطل کی حمایت میں جانیں لڑانے والے اپنی ناکام کوششوں کا جوش و ولولہ فنا کرنے کے بعد ناشاد و نامراد پسپائی

اختیار کر لیتے ہیں اور حسینی تربیت کے پروردہ ماتھے سے پسینہ پونچھ اور آلات جنگ سنبھال کر جوابی حملے کی تیاریوں کا انصرام جاری کر دیتے ہیں۔

دنیا کا یہ حیرالعقول واقعہ محرم ۶۱ھ کی دسویں صبح کو فریضۂ اول ادا کرنے کے بعد شروع ہو کر چار گھڑی دن رہے نواسۂ آل عبا کی شہادت پر ختم ہوا تھا۔ ایک طرف پیغمبر آخرالزماں کا نواسہ دینِ حق کی حفاظت و بقا کا بیڑا اٹھائے صرف بہتّر بوڑھوں جوانوں اور بچوں کی مختصر تعداد کے ساتھ صفیں جمائے تھا۔ اس کے مقابلے میں آلِ ابی سفیان کے جابر و قاہر شاہ یزید بن معاویہ کا حلقہ بگوش لشکر جملہ طاغوتی حربوں سمیت صف آرا تھا۔

کوئی شبہ نہیں کہ لکھو کھا درندہ صفات بردیوں سے بہتّر سرفروشوں کی بے باکانہ جنگ خاکدانِ ہستی کا عجوبۂ روزگار کارنامہ ہے جس پر تاریخ محاربات ہمیشہ فخر کرتی رہے گی تاہم کثرت و قلت کا غیر متوازن تقابل دنیا کے اس عجیب غریب معرکہ کو تا چند جاری رکھ سکتا تھا؟

لاکھوں کی تعداد میں ہزاروں کی کمی بھی کوئی خاص کمزوری ظاہر کرنے کی روادار نہ تھی۔ اس کے برخلاف نبی زادے کے لشکر میں دس پانچ کی شہادت بھی نمایاں کمی پیدا کر دیتی تھی اور مخالفین کی جراحتیں اس کمزوری کے احساس سے افزوں تر ہوتی تھیں۔ وہ اپنے بزدل سپاہیوں کو دروغ آمیز تقریروں سے ابھار ابھار کر رسالتی فدائیوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب و تحریص کرتے تھے۔ اُن کا ہر ایک حملہ سیلاب عظیم کی طرح شروع ہو کر دس پانچ مجاہدین کی شہادت کا موجب ہو جاتا تھا۔

دن اپنی معمولی رفتار سے بڑھ رہا تھا۔ لو کے تند و تیز جھونکے ریگستان کربلا کے تابناک ذروں کو ننھی ننھی چنگاریوں کی طرح اڑا اڑا کر جنگ آزماؤں کے بے نظیر صبر و استقلال کی آزمائش میں مشغول تھے۔ فریقین کے لشکری اپنے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے تھے لیکن ظلم و مظلومیت کا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا۔

لڑائی کی آگ تیز سے تیز تر ہو گئی۔ حسینی سپاہ کا ہر سپاہی امام کے قدموں پر جان فدا کر دینے کو بیقرار ہو گیا دشمن کے مسلسل حملوں نے نصف سے زیادہ جاں بازوں کو صراطِ شمشیر و سناں سے گزار کر جنت النعیم میں پہونچا دیا۔ بقیۃ السیف مجاہد آگے جانے والوں کی پیروی میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔

دوپہر ڈھلنے والی تھی نصف النہار سے سورج کی آتشیں کرنیں زرہوں کی کڑیوں کو انگاروں کی طرح دہکا رہی تھیں۔ شامی سپاہ باوجود سیر و سیراب ہونے کے ہنگامۂ کارزار کی تب و تابش سے بدحواس ہو رہی تھی لیکن اُن جوان مردوں کا صبر و تحمل حیرت آفریں ہے جن پر بے رحم شامیوں اور کوفیوں نے تین روز سے آب و غذا بند کر دی تھی۔ اُن کی مرجھائی ہوئی صورتیں اور پپڑائے ہونٹ اگرچہ اُس شدت کی آئینہ داری کرنا چاہتے تھے جو انتہائے بھوک اور پیاس نیز موسمی حدت و حرارت سے اُن کے قلوب پر طاری ہونا چاہیئے مگر وہ اطاعت و وفا کوشی کے اکمل ترین علمبردار ہر ممکن کوشش سے روحانی تکلیفوں

کو چھپانے اور قلبی سکون و اطمینان ظاہر کرنے میں مشغول تھے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ نبی زادے کی رفاقت کے بڑھے ہوئے جوش نے اُن کے لئے ہر بلا کو خدا کی بہترین نعمت بنا دیا تھا۔ وہ ہر مصیبت کو انعام الٰہی جان کر طیبِ خاطر سے قبول کرتے تھے۔ تیغ و تفنگ کی جراحتوں کو پھولوں کی بدھیوں کی طرح زیب گلو کرنے میں مطلق باک نہ کرتے تھے۔ انھوں نے اس راز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ عشرۂ محرم کا یہ دن عمل اور حصولِ ثواب کا دن ہے۔ آج ہر شخص بقدرِ حوصلہ خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ جس بدبخت نے سستی و غفلت کو دخل دیا وہ محروم رہا۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہی عمل کا دروازہ بند ہو جائیگا یہی وہ وجہ تھی کہ وہ نیزوں کے روکے رُکتے تھے نہ تلواروں کے تھامے تھمتے تھے۔ نیزوں کی ادھادھند بارش میں بےخطر بڑھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں پر جا پڑتے تھے۔ اُن کا یہ جذبہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ جو جو دن بڑھتا تھا اُن کی سرفروشانہ سعی ترقی کرتی جاتی تھی۔

اسی حق آگاہ جماعت میں عابس بن ابی شبیب شاکری بھی تھے۔ جو اپنے غلام شوذب بن عبداللہ کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہو کر مکہ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس وقت سے ایک لمحہ کے واسطے بھی جدا نہ ہوئے تھے۔ اُن کی طبعی شرافت اور خاندانی شجاعت نے چشم زدن کے لئے بھی گوارا نہ کیا کہ اپنے اس وعدے کی خلاف ورزی کریں جو کوفہ میں مسلم بن عقیل کے سامنے ایک تقریر کے ذریعہ کیا گیا تھا کہ "میں آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت کچھ بتانا نہیں چاہتا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ دراصل اُن کے دلوں میں کیا ہے؟ میں آپ کو ان کے باب میں مبتلائے فریب کرنا نہیں چاہتا۔ میں تو خدا کی قسم آپ کو وہ بات بتانا چاہتا ہوں جسے میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ بخدا مجھے جب آپ طلب کیجئے گا میں آپ کی آواز پر لبیک کہنے کو تیار رہوں گا اور آپ لوگوں کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے ہم نبرد ہوں گا اور اپنی اس تلوار سے آپ کی حمایت میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کروں۔ اس سے میرا منشا خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا"

جس طرح عابس کی شرافت و نجابت ضرب المثل تھی ویسی ہی اُن کے قبیلے کی شجاعت و بسالت شہرۂ آفاق تھی۔ یہی باعث ہے کہ عراقی و حجازی اُن کی جماعت کو "فتیان الصباح"[عله] کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد سے اب تک انھوں نے جگر گوشۂ رسول کی حمایت و طرفداری میں کافی کدوکاوش کی تھی۔ متعدد حملوں میں جراحتیں بھی کھائی تھیں تاہم کسی طرح کا ضعف ظاہر نہ کیا تھا لیکن اب جنت کی خواہش اور کوثر کی طلب مجبور کر رہی تھی کہ جلد سے جلد جاں نثاری کا فریضہ ادا کر کے بارِ سر سے سبک دوش ہو جائیں۔

عابس اسی فکر میں غلطاں تھے، اُن کا وفادار و عزیز غلام شوذب بھی اُن کے قریب ہی استادہ تھا۔ اس کے دل میں بھی وہی خیالات موجزن تھے جنھوں نے اس کے آقا کو

عله وقتِ صبح کے جوانمرد۔

سر بہ گریبان کر رکھا تھا۔ دفعتاً عابس نے کسی خیال سے سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا پھر پس و پیش، چپ و راست نگاہ کی اور شوذب سے متوجہ ہو کر نہایت متین و پُرعزم لہجہ میں سوال کیا۔

"کیوں شوذب! تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ کیا ہے؟ شوذب نے مودبانہ عرض کی۔" یہی کہ آپ کی خدمت میں حاضر رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جہاد کروں، اور قتل ہو جاؤں۔"

"شاباش، مجھے تم سے اسی جواب کی اُمید تھی"۔

عابس نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ــــ

"اچھا، تو پھر آگے بڑھو اور امام کے قدموں پر جان نثار کر دو کہ امام بھی تمھاری مصیبت اسی طرح دیکھ لیں جیسے دوسرے ناصروں کی مصیبت دیکھی ہے اور میں بھی تمھارا غم برداشت کر کے ثواب کا مستحق ہو جاؤں۔ شوذب! اگر اس وقت کوئی ایسا آدمی میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے تم سے زیادہ حق و اختیار ہوتا تو یقیناً میری خواہش و خوشی یہ ہوتی کہ وہ میرے سامنے عرصۂ قتال میں جا کر جہاد کرے اور میں اسکی مصیبت برداشت کروں کیوں کہ آج کا دن تو ایسا ہے کہ جتنا انسان سے ہو سکے اُتنا اجر و ثواب حاصل کر لے۔ آج کے بعد پھر عمل کا دفتر ختم اور حساب کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

"آپ نے بہت سچ فرمایا یا سیدی!" شوذب نے کہا اور آگے بڑھ کے امام کی خدمت میں سلام عرض کیا پھر اجازت حاصل ہونے پر شاد شاد رزم گاہ کی جانب چل کھڑا ہوا۔ جس طرح ضیغم شکار پر حملہ آور ہوتا ہے وہ صفوف دشمن پر جا پڑا اُس کی تلوار برق جندہ بن کر باطل کوشوں کو خاکستر کرنے لگی۔ ہر چند بھوک پیاس اور پہروں کی مسلسل جنگ نے اُس کے بازوؤں میں نقاہت پیدا کر دی تھی لیکن جنت کے بڑھتے ہوئے اشتیاق نے ساری کسل دور کر دی۔ حریف اُس کے دلیرانہ حملوں کی تاب نہ لا کر سامنے سے سرکنے لگے۔

کچھ حیلہ طراز بزدلوں نے چھپ چھپ کر پشت کی جانب سے وار پر وار کر کے زخمی کرنا شروع کیا۔ اس طرح بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو سیکڑوں کی تعداد نے مل کر تنہا مجاہد کو نرغہ میں اسیر کر لیا۔ یہ لڑائی دیر تک جاری نہ رہ سکی، بیسیوں نیزوں، بیسیوں تلواروں اور سیکڑوں تیروں نے شوذب کے زخم خوردہ پیکر کو پاش پاش کر دیا۔ رفتہ رفتہ زندگی کی طاقت مغلوب ہوتی گئی۔ آخر وہ ساعت بھی آ گئی جب شہادت کے سکون بخش اثر نے طاری ہو کر امتحان گاہِ وفا کے معیار پر کھرا ثابت کر دیا۔

عابس نے دور سے اپنے وفادار و جری غلام شوذب کو شہید ہو کر گرتے دیکھا تو شہادت کا جذبہ فزوں سے فزوں تر ہو گیا۔ وہ بڑھتے ہوئے امام کی حضور میں حاضر ہوئے اور دستِ ادب باندھ کر گزارش کی۔

فرزند رسولؐ! خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی ایسا موجود نہیں جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز اور پیارا ہو۔ اگر میرے لئے امکان ہوتا کہ اپنی جان سے عزیز تر کوئی چیز آپ کے قدموں پر نثار کر سکوں تو خدا گواہ ہے نثار کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کرتا مگر اس صورت میں کہ صرف جان ہی کا ہدیہ باقی ہے تو دل چاہتا ہے اسے قربان

کر کے جلد از جلد سبکدوش ہو جاؤں۔ اُمیدوار ہوں کہ اذنِ جہاد سے سرفرازی بخشتے ہوئے میرا آخری سلام قبول فرمائیے۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر گواہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے نیز آپ کے پدرِ بزرگوار کے دین پر استوار ہوں۔"

عابس کی لفظ لفظ سے جاں نثاری اور فداکاری کا شوق ٹپک رہا تھا۔ امام نے اُن کے بڑھتے ہوئے اشتیاقِ شہادت کو سمجھا اور جہاد کی رخصت مرحمت فرمائی۔ معلوم ہوا عابس کو دو جہان کی فرمانروائی مل گئی۔ دل کا وہ غنچہ جو پیہم نزولِ آفات سے مُرجھا چکا تھا اس مژدۂ روح نواز سے کھل گیا۔ وہ تلوار سونت کر شیر نر کی طرح جھومتے ہوئے عرصۂ کارزار کی جانب روانہ ہو گئے۔ پیشانی کا زخم جو ابتدائی حملوں میں لگا تھا ہنوز رِس رہا تھا اور خون کی سُرخی جبین سے رخسار تک پھیل رہی تھی مگر انہیں اس کا احساس تک نہ تھا۔

افواجِ مخالف کے ایک پہلوان ربیع بن تمیم نے جو اس وقت پہلی صف میں موجود تھا اور بعض خونریز معرکوں میں اُن کی شجاعت و جوانمردی کے جوہر دیکھ چکا تھا انکی ضیغمانہ چال سے پہچان کر چیخ اُٹھا۔

"ایہا الناس! یہ آنے والا شیروں کا شیر ہے یہ ابن شبیب ہے خبردار تم میں سے کوئی ایک شخص تنہا اس کے مقابلے کو صف سے باہر نہ نکلے۔"

اس عرصہ میں عابس بھی نزدیک جا پہونچے۔ اُن کی صورت سے وقار و شجاعت جھلک رہی تھی۔ ہاتھ میں اُبھی ہوئی تلوار، جبیں پر شکن اور دل میں عربی شہامت کا جوش بھرا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک پل بھی ضائع کئے بغیر آواز دینا شروع کی۔

"الا رجل لرجل"۔ کیا کوئی مرد میدان نہیں جو ایک مرد کے مقابلے کو نکلے۔

اس بہادرانہ نعرے کے جواب میں مخالفین کی جانب سے پتھروں کی سخت و شدید بارش شروع ہو گئی۔ یہ عجیب و بزدلانہ طریقۂ جنگ دیکھ کر عابس نے اپنی زرہ اُتار کر پھینک دی اور تلوار تول کر حریف کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ جس صف کی طرف رُخ کرتے تھے صدہا روباہ دل لومڑیوں کی طرح سامنے سے بھاگتے نظر آتے تھے۔

کچھ دیر تک ہولناک جنگ جاری رہی جو غازی کے منہ چڑھا پہلے ہی وار میں ہلاک ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان میں متعدد مقتول شعلہ بار ریت پر ایڑیاں رگڑتے اور دم توڑتے نظر آئے۔ آخر فوج کے بڑے [illegible] نے سرداروں کے حکم سے مجموعی طور پر حملہ کر دیا اور ایک مجمع نے جبکہ وہ کوفیوں اور شامیوں کے مختلف حملوں سے غایت درجہ مجروح ہو چکے تھے گھیرے میں لیکر شہید کر دیا۔"

شبیرؑ کا پیارا ہے حیدرؑ کا دُلارا ہے

از جناب سید افتخار حسین صاحب فخر رضوی

ہے حضرتِ یوسف سے بھی بڑھ کے جمال ان کا یکتائے زمانہ ہے دنیا میں کمال ان کا
جنبش ہے قلم کو بھی لکھتے ہوئے حال ان کا ہے قہر خداوندی اعدا کو جلال ان کا
ان میں اسدِ حق کا انداز بھی سارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے، حیدرؑ کا دُلارا ہے

دریائے وفا کا یہ بے مثل شناور ہے یہ ثانیٔ جعفر ہے حمزہ سا دلاور ہے
یہ جرأت و ہمت میں حیدرؑ کے برابر ہے کہتے تھے شہ والا یہ زینتِ لشکر ہے
مجھ بیکس و مضطر کا یہ شیر سہارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے، حیدرؑ کا دُلارا ہے

چومے ہیں شجاعت نے بڑھ بڑھ کے قدم انکے ہے فوج حسینی کا کاندھے پہ علم ان کے
مخفی نہیں دنیا میں ہیں جاہ و حشم انکے یہ شاہ امم کے ہیں اور شاہ امم ان کے
کاندھے پہ علم شہ کے ہاتھوں کا سنوارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے، حیدرؑ کا دُلارا ہے

ہے سب پہ عیاں انکی عالم میں وفاداری ہے ان کے لئے زیبا لشکر کی علمداری
اپنوں سے محبت ہے غیروں سے ہے بیزاری جان اپنی شہ دیں سے غازی نے نہ کی پیاری
بھائی کے لئے سب کچھ غازی کو گوارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے، حیدرؑ کا دُلارا ہے

مشکیزہ لئے غازی لو نہر پہ جا پہنچا پسپا صف اعدا کو لو شیر نے کر ڈالا
لو بھر لیا پانی سے مشکیزہ سکینہؑ کا روتا ہوا پانی سے لو شیر جری نکلا
پانی نہ پیا بالکل، گو پیاس نے مارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے، حیدرؑ کا دُلارا ہے

(بقیہ نظم صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ ہو)

آیات وکرامات

(از افادات جناب مولانا السید محمد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ عطیۂ جناب صدر الملۃ مولانا السید محمد مجتبیٰ صاحب مجتہد)

والد علام مرحوم مبرور مولانا السید محمد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ ۲۳ محرم الحرام ۱۲۸۴ھ میں پیدا ہوئے لکھنو میں تکمیل علوم فرمائی جناب بحر العلوم مولانا السید علی صاحب طاب ثراہ سے خاص تلمذ رہا۔ جناب قدوۃ العلماء اور حضرت ظہیر العلماء اعلی اللہ مقامہما الیمنے نجم الثبوت اعلام کے ہمدرس تھے۔ اساتذۂ لکھنؤ میں سے جناب بحر العلوم۔ جناب تاج العلماء سرکار ملاذ العلماء۔ جناب محقق نہدی قدست اسرارہم نے اور اساتذہ عراق میں سے جناب آغا شیخ محمد حسین مازندرانی طاب ثراہ اور جناب آیۃ اللہ آقائے آغا شیخ عبد الحسین رشتی دام ظلہ نے بلند پایہ اور شاندار اجازات عطا فرمائے تھے۔ واعظ وذاکر ایسے تھے کہ سخت سے سخت مجمع بیان سے متاثر ہو جاتا تھا۔ ورمصائب پر مجلس تڑپنے لگتی تھی علمیت و فقاہت اجازات سے ظاہر ہے اپنی اولاد کو شرح جامی و شرائع وغیرہ تک خود پڑھایا کمالات اور وضع کی پابندی کا زندہ ثبوت یہ کہ ریاست جانسٹھ میں تقریباً ۴۶ سال بڑی خوبی وعزت کے ساتھ قیام رہا عابد و متہجد ایسے کہ اوراد و وظائف کی کتابیں بن گئیں علماء و مجتہدین سے بہت خلوص رکھنے والے اور ان کی نگاہوں میں بہت معزز و معظم۔ نیک نفس ایسے کہ جب کوئی پیشنماز وارد جانسٹھ ہوا اسکو آگے بڑھا کر خود اقتدا کی غرض ذوق علم۔ زہد و تقوی انکسار نفس اور خدمات دین میں حدیث علماء امتی کا بہترین مصداق تھے اولاد ذکور تین۔ ایک برادر علام مولانا سید مظاہر حسین صاحب پیشنماز جلالی نہ دوسرے برادر محترم سید محمد حسنین صاحب زمیندار اور تیسرے من آنم کہ من دانم۔ مرحوم نے ۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ کو انتقال فرمایا علاوہ بیشمار خدمات مذہب کے تقریباً مطبوعہ وغیر مطبوعہ ۴۰ تصنیفات چھوڑیں۔ ان میں صدہا صفحات کی کتابیں بھی ہیں اور مختصر رسالے بھی۔ مطبوعات میں تاریخ العلماء۔ مصائب الابرار۔ پیراہن یوسفی۔ رسالہ غم۔ زینۃ المجالس اور مقاصد بہیہ بڑے ضخیم اور مشہور کارنامے ہیں۔ ہزارہا صفحات کا قلمی ذخیرہ چھوڑا جس کے مطالعہ سے ہم مرحوم کی وسیع النظری اور علمی شان و شوکت پر حیرت کیا کرتے ہیں ان ہی میں سے ایک رسالہ کا سلسلۂ "آیات وکرامات" کے عنوان سے نظارہ میں شروع کیا جاتا ہے خدا اسکو تکمیل تک پہونچائے اور مقبول فرمائے۔ امید ہے کہ ناظرین کے لئے بالیدگی روح و تازگی ایمان کا سبب ہوگا اور مرحوم کو ایک سورۂ فاتحہ سے نیز پسماندگان کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائینگے اللھم اغفر لہ واجعلہ عندک فی اعلی علیین واخلف علی اھلہ فی الغابرین وارحمہ برحمتک یا ارحم الراحمین آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین" خادم الملۃ السید مجتبیٰ عفی عنہ مدرسہ عالیہ جعفریہ نوگانوہ مراد آباد"

بسم اللہ الرحمن الرحیم والحمد للہ رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

(۱) رسالہ اصلاح نمبر ۴ ج ۱۶ بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۲ھ میں ہے کہ اخبار تفریح مورخہ ۷ جنوری جو لکھنؤ کے ایک ہندو کی ایڈیٹری سے مطبع نولکشور سے شائع ہوتا ہے راوی ہے کہ جنو خاں ملازم ریاست محمود آباد کے تعزیہ خانہ میں جہاں ضریح مبارک رکھی ہوئی تھی وہیں دو علم بھی تھے دفعۃً ایک علم کو حرکت پیدا ہوئی اور اتنا جھکا کہ ضریح مبارک سے مل گیا اور اس سے خون تازہ خوشبودار ٹپکنا شروع ہوا۔ یہ حال ایک گھنٹہ تک قائم رہا ہزاروں آدمی زیارت سے مشرف ہوئے صفحہ ۱۳، اللہم صل علی محمد وآل محمد اور یہ معجزہ اخبار شیعہ نمبر ۱ ج ۱۰ ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء میں بھی چھپا ہے اور یہ اور زیادہ ہے کہ جناب راجہ صاحب والی محمود آباد نے جنو خاں کو ۵۰ روپیہ نذر و نیاز کے واسطے دئے اور وہ علم کربلائے محمود آباد میں رکھ دیا۔

(۲) اصلاح نمبر ۱ جلد ۲ بابت ماہ محرم سنہ ۱۳۳۵ھ اور شیعہ نمبر ۱۱ ج ۱۳ بابتہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۶ء میں ہے کہ جناب سید شرافت حسین صاحب عالیگ رئیس بہانی ضلع ہردوئی ۱۰ محرم کو خبر دیتے ہیں کہ شب ۶ محرم کو جناب میر سید محمد صاحب رئیس کے زنانہ مکان میں مجلس تھی جس میں جناب مولانا سید سبط حسن صاحب نے اعلیٰ درجہ کی مجلس پڑھی اس کے بعد کل علموں سے خون جاری ہوا دوسرے روز ۹ بجے صبح کو منبر پر دونوں علم جو نصب تھے سرخ ہوئے اور خون جاری ہوا ۷ کو دوبارہ ایک علم سرخ ہوا اور خون جاری ہوا ۸ محرم کو خون کی بارش ہوئی مکان درخت دیوار صحن سب رنگین نظر آتے تھے جناب جدہ ماجدہ دام ظلہما اُن کل مومنین کی نہایت فراخ دلی سے مہمانی فرما رہی ہیں جو سیتاپور بلگرام لکھنؤ سے تشریف لائے ہیں اور یہ فیض عام تا زمانہ چہلم باقی رہے گا یہ معجزہ اخبار سرمۂ روزگار آگرہ مورخہ ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۱۶ء میں اخبار ذوالقرنین سے لکھا ہے اور سرمۂ روزگار میں ہے کہ اخبار ہمدم کو بھی لکھا گیا ہے۔

(۳) لکھنؤ میں عین روز عاشورہ یہ واقعہ ہوا کہ ایک لامذہب ملازم نے علم کی چھڑوں کے ساتھ بےادبی کی جس پر بوقت شب اسکو دورہ صرع عارض ہوا اور راہی دارالبوار ہوا۔

(۴) اصلاح نمبر ۲ ج ۱۲ بابت ماہ صفر سنہ ۱۳۲۷ھ میں ہے کہ ایک ہندو مہاجن تعزیہ داری علم بھی کرتا تھا چونکہ وہ لڑکا مر گیا ایک مدت کے بعد جس کی منت میں یہ علم رکھتا تھا۔ لہذا ایک فقیر مسلمان کو اس نے علم دیدیا اس سال عین زمانۂ عشرہ میں دوسرا لڑکا بیمار ہوا کہ نہ مرض سمجھ میں آیا نہ وجہ معلوم ہوئی ہر چند علاج ڈاکٹری و یونانی کیا گیا مگر کوئی نتیجہ نہ ہوا خود اس نے علم کا واقعہ بیان کیا جس پر سب نے کہا کہ اب تجدید پھر منت کر یہ بلا دفع ہو تو علم رکھیں گے چنانچہ اس نے نذر کی اور اسی وقت سے افاقہ شروع ہوا دوسرے روز علم رکھا گیا اور وہ شریک ماتم ہوا۔ غالباً یہ معجزہ اخبار وکیل امرتسر مورخہ ۶ فروری سنہ ۱۹۰۹ء سے لکھا گیا ہے۔

"آیات و کرامات"

(۵) اصلاح نمبر ۴ ج ۱۶ بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۱ھ ہے۔ قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور کا معجزہ۔ شیخ نیدو پسر علمدار حسین کی زوجہ نے قصبۂ ہذا میں تین مجلسیں عزائے امام مظلوم کی

منت کی قبول کی تھیں مگر وہ بھول گئی ہوئی تھی ۱۲ر فروری ۱۹۱۳ء کو بوقت شب اس کی آنکھوں میں کچھ خفیف درد معلوم ہوا اور سونے کے وقت سوگئی عالم رویا میں کسی نے کہا اب تیرا درد اچھا ہوگیا ہے اب تو وہ مجلسیں برپا کر کہ جو تو نے قبول کی تھیں اور تو نے اب تک کیوں نہیں کیں چنانچہ جب صبح ہوئی تو اس عورت نے اپنی آنکھوں کو بے نور پایا بالکل نور اُڑ گیا دکھلائی دینا بند ہو گیا باقی آنکھیں بدستور ہیں مگر آنکھوں میں نور نہیں رہا جب شیخ بندہ اسکے شوہر نے یہ سب حال سُنا تو مجلسیں برپا کیں جب تینوں مجلسیں ہوچکیں تو دو دن میں اس کی زوجہ کی آنکھیں روشن ہوگئیں نظر آگیا فقط

سید حیدر حسین از قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور ۱۷ر فروری ۱۹۱۳ء

(۶) جناب سید محمد عسکری صاحب فتحپور ہنسوہ سے لکھتے ہیں میرے وطن کے قریب ایک موضع بوڑھوپور ہے وہاں پر دو چار مکان شیعہ مومنین کے ہیں اور محرم میں مجالس عزا میں ذوالجناح نکالتے ہیں امسال گاؤں میں دو شیعوں نے اور ایک شخص مسمی سیکھا پران نے ٹیشر کے میلہ سے گھوڑے خرید کئے سیکھا پران سے اسکا گھوڑا ایک شیعہ نے بنا بر بنانے دلدل کے مانگا تو اس نے کہا کہ ابھی اس پر کوئی سوار نہیں ہوا ہے پہلے امام کی سواری کو نہ دوں گا اس وجہ سے اس نے انکار کردیا خیر دوسری جگہ سے گھوڑا منگوایا گیا اور ذوالجناح نکالا گیا وہ گھوڑا عین جہلم کے دن خود بخود کودا اور سر کے بل گر کر مرگیا اب اس پران کو سخت پریشانی اور پشیمانی ہے کہ کیوں نہ میں نے ذوالجناح بنانے دیا میرے انکار سے گھوڑا مرگیا یہ خبر زبانی شیخ محمد یوسف صاحب جن کے موضع میں یہ واقعہ ہوا ہے سُنی گئی ہے۔

(۷) موضع مٹا کہ موہڑہ ضلع راولپنڈی میں ایک مسجد پختہ قدیمی سادات شیعہ کی تھی جو سابق ۱۸۸۸ء میں عدالت سے حل ہو چکی تھی اور صادر فیصلہ ہوگیا تھا کہ یہ مسجد شیعوں کی ہے مخالفین اپنی علحدہ مسجد بنوالیں چنانچہ اس حکم کے ملنے کے بعد انھوں نے اپنی علحدہ مسجد بنوالی جس میں اپنی نماز ادا کرتے تھے لیکن جب اس مسجد پختہ شیعہ کو دیکھتے تھے تو رشک کرتے تھے آخر کار نہ رہا گیا .... تو مورخہ ۲۶ر مئی ۱۹۱۲ء کو علی الصباح جبراً مسجد شیعوں میں داخل ہوئے اور وہاں جو شیعہ نماز ادا کر رہے تھے جن کو مسجد سے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا مسجد کی اندرونی دیواروں پر چند اشعار مدح جناب امیر علیہ السلام لکھے ہوئے تھے ان کو انھوں نے مٹادیا اور اسپر سفیدی بھی کرادی مگر جن کو خداوند کریم ظاہر و روشن کرے انکو کون مٹا سکتا ہے۔ کیا یزیدیوں نے کم کوشش کی تھی ان کو مٹانے میں حتٰی کہ قبروں پر ہل چلائے اور پانی بہایا مگر خود ان کا ہستی عالم سے نام مٹ گیا اور حسینؑ کے دم بھرنے والے اور نام لیوا ہر قصبہ اور ہر دیہات میں موجود ہیں وہ اشعار یہ ہیں ؎

علی حبہ جنۃ — قسیم النار والجنۃ
وصی مصطفٰی حقہ — امام الانس والجنۃ

مطلب انشاء کعبہ بہر میلاد تو بود ؎ ورنہ ذات لامکاں را خانہ کے بایستہ بود

القصہ جب سادات شیعہ کو جبراً باہر نکالدیا گیا تو غریب

شیعوں نے دعویٰ دائر عدالت کیا اور یہ بھی دعویٰ میں
لکھا دیا کہ ہمارا مقدمہ کسی ہندو یا یورپین حاکم کے پاس
سے ہے چنانچہ یہ مقدمہ بعدالت حضور رائے کیتھو داس صاحب
بہادر مجسٹریٹ درجۂ اول کے سپرد ہوا صاحب موصوف
۴ ارجولائی ۱۹۱۲ء بروز اتوار موقع دیکھنے کیلئے تشریف
لائے مخلوق کا ہجوم تھا جب مسجد متنازعہ فیہ کو دیکھنے کے
لئے اندر گئے تو وہ اشعار جو قبل ازیں محو کئے گئے تھے ایسے
نمودار تھے کہ صاحب موصوف نے بنظر خود ملاحظہ کیا اور
ان کو اغلبا یہ لفظ لکھ لیا جسقدر تماشہ بین لوگ موجود تھے
متحیر ہوئے۔ اور ہر ایک کی زبان سے جاری ہوا کہ یہ معجزہ
جناب امیرؑ ہے گویا انھوں نے سادات کے قابض ہونے کی
شہادت دی ہے خلاصہ۔

(۸) اصلاح ہے جلد ۱۴ بابتہ ماہ رجب ۱۳۳۱ھ میں ہے
کہ علاقہ کابل میں ایک شہر بلخ ہے جہاں مزار فائز الانوار
جناب امیر بنا ہوا ہے جس کی نسبت وہاں کے مسلمانوں کو یقین
کامل ہے کہ یہی حضرت کا مزار ہے جس کی تحقیقات کسی
موقع پر کی جائے گی مگر حال میں جو کرامات وہاں ظاہر ہوئے
ہیں اسکو خاص اخبار سراج الاخبار سے لکھتے ہیں جو سلطنت کا
نیم سرکاری اخبار ہے اور ایڈیٹر اسکے آغا محمود طرزی ہیں
جو علمائے کابل سے ہیں اور بڑے ادیب انشا پرداز ہیں
اصل عبارت اسکی حسب ذیل ہے۔

سراج الاخبار شمارہ ۱۶ سال دوم صفحہ ۳ از محکمہ مبارکہ
اطلاعات علینا مکتوب۔

جناب مستطاب مکرم لازم الاحترام مدیر صاحب سراج
الاخبار را حفظہ اللہ تعالیٰ ہموارہ وجود ذی جود آں
مکرم را از خداوند جہاں آفرین محفوظ و مسلم تمنا دارم اولیں
درخواست نیاز مندانہ من از خداوند بے ہمتا مہربان بقائے
عمر و سلطنت اعلیٰحضرت سراج الملۃ والدین سرکار ہمایوں اولاً است
در مطاوی عرض می شود بہ قراریکہ از مزار شریف احوال محکمۂ
اطلاعات رسیدہ چنانست کہ بتاریخ لیل شنبہ ۲۷ ماہ ربیع الثانی
یک نفر شخصے کہ از ہر دو دست شل بودہ بروضۂ مطہر حضرت
خلیفہ چہارم رضی اللہ عنہ صحت مندی ہر دو دست خود
کامیاب گردیدہ است۔

(۹) در لیل سہ شنبہ غرۂ جمادی الاول دو نفر دیگر کہ
یک نفر از مردم ہزارہ و یک نفر از طائفہ ازبک ست و
ہر دو نفر از ہر دو چشم اعمیٰ بودند بدربار فیض نثار مشرف
گردیدہ ہر دو نفر بہ روشنی چشم خویش کامراں گردیدہ اند

(۱۰) ایضاً روز پنجشنبہ ۳ ماہ جمادی الاول یک نفر
افغان از طائفہ مہمند کہ این شخص ہم کور مطلق بود و
آستان بوسی روضۂ مطہرہ مشرف گردیدہ بود بینا شدہ است
دو نفرے مذکور در ولایت موصوفہ حاضر اند کیفیت مذکور را
بخدمت مکرمی تحریر نمودم کہ درج روزنامہ مبارک سراج الاخبار
بدارند زیادہ صحت مندی و سلامتی آں فاضل محترم را
از خداوند تعالیٰ خواہانم فقط تحریر ۳ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
معروضہ سررشتہ دار محکمۂ اطلاعات۔

(۱۱) اصلاح ہے ج ۱ بابتہ ۱۶ ماہ صفر ۱۳۲۵ھ میں ہے
کہ ہمارے ایک معزز دوست فیض محمد نامی ساکن کراچی میں
سال سے مجلس جناب سید الشہداء میں بندہ کے مکان پر

روضہ خوانی کے لئے رونق افروز ہوتے ہیں اور رسالہ اصلاح کے بھی خریدار ہیں اس سال بھی حسب معمول تشریف لائے اور ۱۲ تاریخ کو مصمم ارادہ جانے کا کیا ایک سید کا ارادہ ۱۳ تاریخ کو مجلس امام علیہ السلام کرنے کا تھا جس سے ہم نے اور سید صاحب نے بھی بہت کچھ فیض محمد صاحب سے اصرار کیا کہ ایک روز قیام کریں مگر انھوں نے چند ضروری امور کا عذر کیا کہ میں رہ نہیں سکتا ہوں ۱۲ تاریخ دوپہر کو چلا جاؤنگا بارھویں کی شب کو ایک دوست نے مجلس عزا قائم کی تھی آپ بھی شریک رہا بعد اختتام مجلس گیارہ بجے رات کو گھر میں پہونچا تو اس گھر کی کوٹھری جس میں شبیہ روضہ سبط پیمبر میں تعزیہ رکھا تھا وہاں سے خوشبو عطر کی شروع ہوئی اسقدر خوشبو ہوئی کہ تمام سائبان معطر ہوگیا تھوڑی دیر کے بعد ایک نور شفاف اور سفید اس کوٹھری کے اندر ساطع ہوا جو برق سے زیادہ چمکدار تھا کسی کی کیا مجال تھی جوان کو آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے فیض محمد اور تمام گھر کے لوگوں نے نعرۂ صلوٰۃ بلند کیا تا آنکہ ایک شخص سبز پوش نورانی چہرہ اور اسکے ساتھ دو نوجوان نظر آئے اور ایک مستورہ جو سر سے پاؤں تک برقع سیاہ میں مستور تھی ان کا ورود ہوا تھوڑی دیر کے بعد وہ مستورہ غائب ہوگئیں مگر وہ سبز پوش صاحب اور دو جوان کھڑے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے فیض محمد اور تمام گھر کے لوگ ایک حیرت میں تھے لیکن فیض محمد کو خیال آیا کہ شائد کوئی ہماری بات کا اعتبار نہ کرے یہ اسرار کسی کو دکھانا چاہئے اسکے گھر کے بازو میں ایک شخص احمد کا گھر تھا جو سنی المذہب ہے اسکو جاکے پکارا اور جو ماجرا دیکھا تھا بیان کیا اس نے بھی دیکھنے کا خیال کیا احمد تمام کنبہ کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوا جس میں وہ معجزہ ہو رہا تھا اس نے اور تمام اسکے کنبہ نے لوگوں نے یہ تمام ماجرا بچشم خود دیکھا۔ تمام رات یعنی گیارہ بجے سے صبح کے چار بجے تک پندرہ بیس آدمیوں نے اس حالت کا مشاہدہ کیا کوئی صلوٰۃ پڑھتا تھا کوئی اپنی حاجات کی دعا مانگتا تھا جب صبح ہوئی تو اس کوٹھری کے اندر لوگ زیارت کو گئے تو جس جگہ وہ تین بزرگ نماز پڑھتے تھے وہاں ہاتھ اور پاؤں گھٹنے اور پیشانی کے نشان سب لوگوں نے دیکھے اور وہاں کی خاک لوگ لے گئے اور جس کے گھر میں بیمار تھا اسکو پلایا یا لگایا وہ بیمار شفایاب ہوگیا۔ سبحان اللہ عجب قدرت الٰہی ہے اس اسرار کی حکایت احمد نامی سنی المذہب دن کو اکثر لوگوں سے کرتا رہا اور اکثر لوگ اسی کوٹھری کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے فیض محمد کے خیال میں بھی مولائے مومنان اور حضرات حسنینؑ اور جناب سیدہ علیہم السلام تشریف فرما ہوئے تھے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

راقم غلام محمد نقاش از حیدرآباد سندھ

(۱۲) اصلاح ج ۲۰ بابت ماہ صفر ۱۳۳۵ھ میں ہے کہ سید سبط حسن صاحب مارہرہ ضلع ایٹہ سے لکھتے ہیں جناب سید آل برکات صاحب مرحوم کے بھائی کے پاس خاک شفا کا ایک کنٹھا جس کے دانے عشرہ کے روز سرخ ہو جاتے ہیں، جناب سید غلام شبیر صاحب عرف حقانی کے کنٹھے کے ۲۷ دانے سرخ ہو جاتے ہیں قاضی عطا حسین صاحب اہلسنت سے ہیں ان کے کنٹھے کے دانے بھی سرخ ہوگئے جس گلاب میں وہ کنٹھا پڑا تھا وہ مثل خون کے سرخ ہوگیا جس کی سب سے

زیارت روز عاشور کی۔

(۱۳) سید سرفراز حسین صاحب صحتیا ضلع بہرائچ سے لکھتے ہیں کہ زید پور میں امسال جناب میر عباس صاحب کے تعزیے ۳۔محرم سے پانی جاری ہوا اور اب تک جاری ہے۔ اسی زید پور میں سال گزشتہ بھی ایسا ہی معجزہ ہو چکا ہے۔

(۱۴) اخبار مشرق گورکھپور مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۶ء راوی ہے کہ موضع دیوکلی متصل احمد پور تحصیل سنہا گھاٹ ضلع بارہ بنکی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ۱۰ محرم کو کاٹ کا تعزیہ جس کا وزن پچاس من ہے خود بخود جنبش کرنے لگا اور یہ جنبش یہاں تک بڑھی کہ چوک سے اس کی سطح زمین اٹھ گئی۔ اس واقعہ کی خبر سن کر ہزاروں آدمیوں کا ہجوم ہو گیا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس کے اطراف کے کاغذ کو چاک کر دیا اس خیال سے کہ شاید اندر سے کوئی جنبش نہ دیتا ہو گو یہ محال تھا اسلئے کہ پچاس من کے وزن کو ایک دو شخص جنبش نہیں دے سکتے اسکے پانچویں چھٹے دن تعزیہ کی تیلیوں سے قطرات شبنم کی طرح پانی ٹپکنے لگا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس تعزیہ کی ہمیشہ گشت ہوتی تھی مگر چند سال سے ہندوؤں نے مزاحمت کی جس سے اس کی گشت موقوف کر دی گئی۔ اسکے راوی حکیم کمال الدین صاحب احمد پوری جو فی الحال گورکھپور میں مطب کرتے ہیں جوان صالح نیک مزاج شریف خاندان تعلیمیافتہ ہیں۔ اخبار شیعہ کالج نیوز مورخہ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء میں بھی یہ معجزہ طبع ہوا ہے۔

(۱۵) ایضاً حرکت علم۔ حیدرآباد دکن۔ جناب سید عاشق حسین صاحب جعفری لکھتے ہیں۔ پرانی حویلی کے زمانہ پھاٹک کے پاس ایک صاحب نے علم مبارک استادہ کیا تھا۔ اس میں خود بخود حرکت پیدا ہوئی کچھ لوگوں نے شبہ کیا قدم زمین کھود ڈالی گئی کوئی وجہ نہ معلوم ہوئی ہزارہا مخلوقات زیارت کو جمع ہوتے ہیں آج تک یہ کرامت بدستور قائم ہے۔

(۱۶) ایضاً جناب منشی غلام حسین صاحب منشی فاضل ہیڈ مولوی مشن ہائی اسکول نصیر آباد راجپوتانہ سے لکھتے ہیں کہ امسال ان کی تسبیح کے دانے بھی سرخ ہو گئے پہلے پانچ دانے سرخ ہوئے تھے اور امسال ۳ حصہ سرخ ہو گیا۔

(۱۷) ایضاً ایک بچہ جو ابھی ۹ ماہ کا ہے اس نے ۷-۸-۱۰ کو اس طرح سر پیٹنا ماتم کرنا شروع کیا کہ سب کو حیرت ہوئی۔

(۱۸) اصلاح نمبر ۳ ج ۱۲ بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ میں بروایت جناب ادیب سیتاپوری تحریر ہے کہ سیتاپور محلہ عالم نگر کا واقعہ ہے جہاں بہت زیادہ آبادی سنیوں کی ہے ایک ضعیفہ جس کے دو لڑکے ہیں ہر سال تعزیہ داری کیا کرتی تھی اس سال قریب محرم اس کے پاس خرچ نہیں رہا اور اسکو تعزیہ کی فکر دامنگیر ہوگئی عشرۂ محرم کی تاریخیں گزرنے لگیں اور اس سے کوئی انتظام نہ ہو سکا جب وہ بہت پریشان ہوئی تو اس نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا کہ کہیں سے مجھے دو روپیہ قرض لا دے کہ میں تعزیہ رکھ سکوں اسکے بڑے لڑکے اور بشیر سے جو اسی محلہ میں رہتا ہے بہت دوستی ہے اس نے اپنے دوست بشیر سے کہا کہ مجھے دو روپیہ قرض دیدو میں بعد محرم ادا کر دونگا بشیر نے پوچھا کہ تمھیں کیا ضرورت لاحق ہوئی اس نے اصل حال بیان کر دیا کہ بغرض تعزیہ داری دو روپیہ کی ضرورت ہے جب بشیر نے کہا کہ میں تم کو تعزیے

واسطے روپیہ ہرگز نہ دوں گا اور تم اس خیال کو چھوڑ دو تعزیہ نہ بناؤ وہ مجبوراً اپنے گھر واپس گیا اور اپنی ماں سے جاکے کہنے لگا کہ مجھے قرض نہیں ملا اب وہ زیادہ پریشان ہوئی اور اس نے اپنے لڑکے سے کہا کہ اچھا یہ میرا کپڑا تو کہیں سے رہن کرکے مجھے دو روپیہ لادے اس نے وہ کپڑا لے لیا اور بازار میں رہن کرکے اپنے گھر جارہا تھا کہ راستہ پھر اُسی دوست بشیر سے ملاقات ہوگئی بشیر نے پوچھا کہاں سے آتے ہو اس نے کہا کہ تم نے روپیہ نہ دئے آخر میں نے کپڑا رہن کرکے یہ روپیہ بہم پہونچائے اب اپنے مکان کو جاتا ہوں اس مقام پر بشیر نے اپنی دوستی کا دباؤ ڈال کر اسکو مجبور کیا کہ وہ تعزیہ نہ بنائے اور اس سے کہا کہ ان روپیوں کا غلہ خرید کرکے اپنے گھر لیجا وہ بشیر کے کہنے میں آگیا اور بازار سے غلہ خرید کرکے اپنے گھر لے گیا اس کی ماں نے پوچھا کہ یہ غلہ کیسا ہے اور کپڑے کا کیا نتیجہ ہوا تب اس نے سب حال بیان کیا کہ بشیر نے مجھے تعزیہ داری کو بہت منع کیا اور سمجھا دیا ہے کہ ہم کو تعزیہ نہ بنانا چاہئے لہذا میں نے حسب ہدایت بشیر غلہ خرید لیا یہ سُن کر اس کی ماں بہت روئی اور اپنے لڑکے کو بہت سخت وسست کہا اور خفا ہوئی وہ اسی خیال میں مغموم تھی کہ اس کا چھوٹا لڑکا جو ابھی کم سن ہے باہر سے آیا اور اپنی ماں کو دو روپیہ دئے اور کہا ایک بزرگ سفید پوش اس طرف گئے ہیں جنھوں نے مجھکو یہ دو روپیہ دئے اور کہا کہ اپنی ماں کو دیدینا کہ تعزیہ بنائے اس واقعہ کو شہرت اور بشیر اور اسکے امثال کو شرمندگی ہوئی بہت سے لوگوں نے اسکو جانچا اور مجھے جب معتبر ذریعوں سے دریافت ہو لیا تب میں نے اسکو تحریر کیا۔

(۱۹) ایضاً بروایت ادیب سیتاپوری ممدوح مرقوم ہے کہ ایک شخص مسمی عنایت اللہ خاں سُنی المذہب بڈھے آدمی ہیں جنھیں میں عرصہ سے جانتا ہوں وضلع کھیم پور کے رہنے والے ہیں معمولی طور پر نوشت وخواند اردو زبان میں کرلیتے ہیں اس سال بعد عشرۂ محرم وہ سیتاپور میں آئے اور جس مقام پر ہم دو تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے وہاں شائد دس منٹ سے زیادہ نہ ٹھہر سکے ہم لوگ کچھ عزاداری ہی کے اذکار کر رہے تھے کہ انھوں نے آتے ہی اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگے کہ میں عرصے سے تعزیہ بناتا ہوں اس سال مجھے بعض لوگوں نے مجبور کیا کہ تعزیہ نہ بناؤ اور قسم لی کہ تعزیہ نہ بناؤں گا جب محرم شروع ہوا تو میں اسی خیال میں تھا کہ میں عہد کرچکا ہوں اور قسم کھا چکا ہوں تعزیہ ہرگز نہ بناؤں گا علاوہ اسکے میرے پاس کچھ خرچ بھی نہیں تھا۔ ۶ محرم تک تو میرا عزم مستحکم رہا اور میں نے تعزیہ نہ بنایا لیکن شب ہفتم کو مجھے ایک ایسا صدمہ سخت پہونچا کہ اُس عہد اور قسم کو توڑنا پڑا اور صبح کو مجھے خرچ بھی مل گیا کہ میں نے تعزیہ بنایا اس کے کہنے لگے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک واہیات بات ہے مگر قسم خدا کی جو تعزیہ نہ بنائے گا وہ خراب ہو جائے گا۔

علمدار دلاور

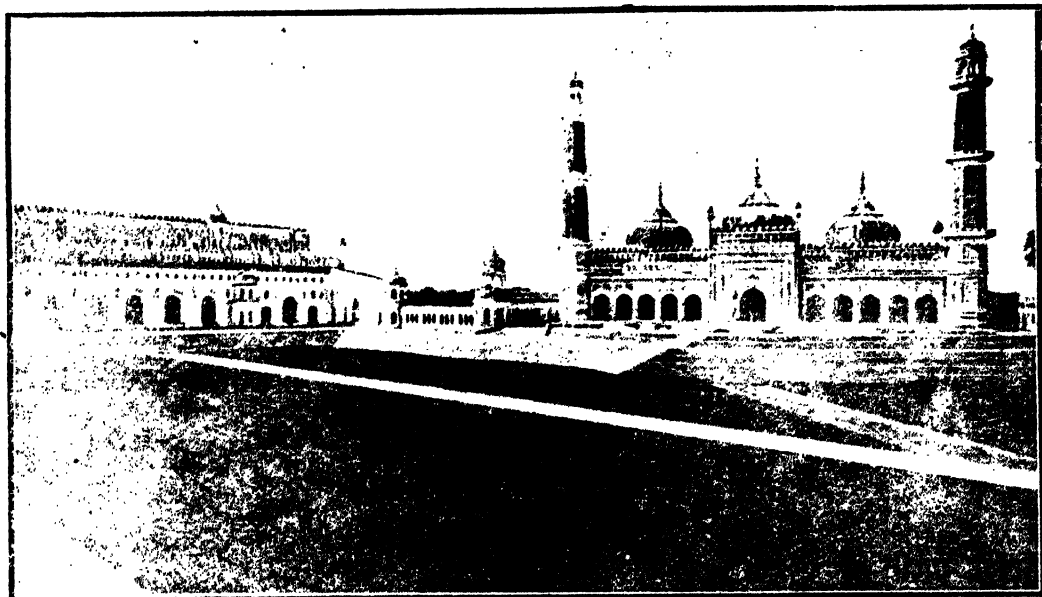
از جناب سید محمد باقر صاحب متخلص بہ محمد و باقر (جوراسی)

(ہم جناب سید محمد باقر صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ابوالفضل العباس نمبر کے لئے خاص طور سے صنعتِ بے نقط [illegible] کے اشعار ارشاد فرمائے ہیں جس کا اجر سرکار ابوالفضل العباس علیہ السلام عطا فرمائیں گے ۔ فضل)

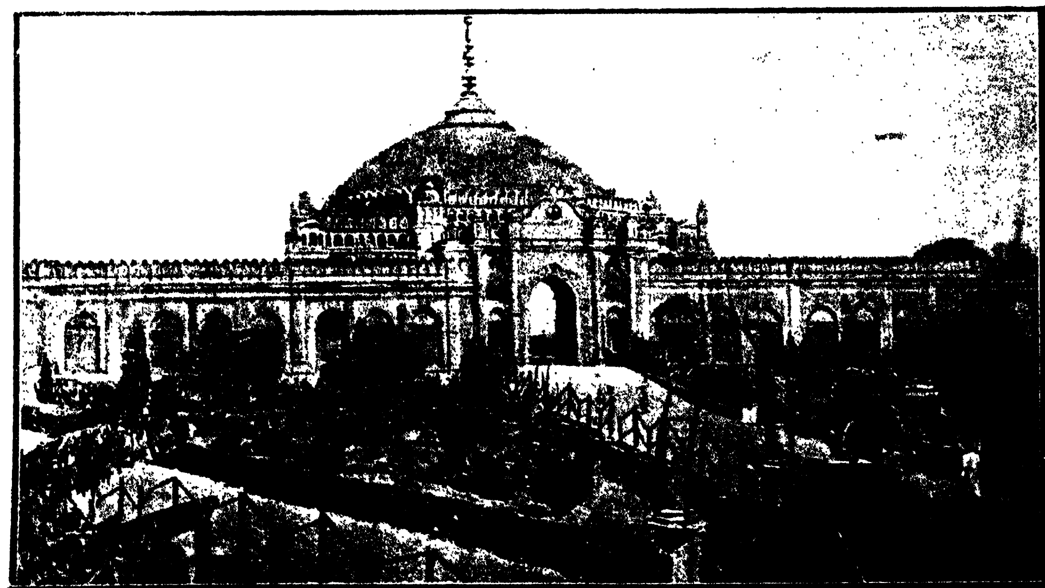
وا حسرتا ہمدم وا سلام سراسر
مولا کا مددگار الم و درد کا مارا
کل گھر کا دلآرام وہ ہو مرد کہ لڑکا
داماد محمدؐ کا ولد عالم و عامل
طرح اسداللہ کا مالک سر ساحل
کس طرح سرِ معرکہ ہوا مہر سا طالع
اک وار ادھر سر ہوا صمصام دودم کا
ہر حملہ مکمل وہ سر عسکر اعدا
آہ آہ کہ اس مرد کو سالار کو مارا
دم ٹوٹا اِدھر اس اسد اہل ولا کا
امداد کو محروم رہا مار گو ارا

وہ سرور عالم کا علمدار دلاور
ہر کودکِ معصوم و حرم کا وہ سہارا
اس دم کا اِدھر وہم ہوا گم ہوا دھڑکا
معصومۂ عالم کا دلارا کامل
اک حوصلہ وصل سر و صمصام کا حاصل
اور کاٹا سرِ ماردِ کم طالع و طامع
سالک ہوا مردود اُدھر ملکِ عدم کا
اکرام وہ احکام امامؑ دوسرا کا
اک صالح و اسعد ملک اطوار کو مارا
دل ٹوٹا اُدھر داورِ ہر دوسرا کا
ہمراہِ علم گھر کو امام آہ سدھارا

مدعو ہو دمِ مرگ مع حکم موکد
مسرور ہوا اسدم دلِ مہموم محمدؐ



مسجد و امام باڑہ آصفی لکھنؤ





جناب الحاج محمد علی سالھین صاحب
سرپرست گرانڈ مسلم مشن بمبئی



حضرت تاج العلماء مولانا سیّد محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر ظلہ
نبیرۂ اکبر سرکار نجم الملۃ



فخر الاطبا جناب حکیم سید محمد قاسم
عرف صاحب عالم صاحب

اعلانِ حق

(از جناب سید تاجدار حسین صاحب وقار لکھنوی)

یوں گزریں کوفہ و شام سے کچھ تسلیم و رضا کی تصویریں
اعلانِ حق کو بھائی کا سر تائید کو پہنچے ہمشیریں

اللہ غنی اے سبطِ نبیؐ اس شان سے حق کی تکبیریں
ریتی پہ مصلّی تیروں کا محراب عبادت شمشیریں

ہر گوشۂ دشتِ کرب و بلا پیاسوں کا شہادت نامہ ہے
ہر ذرۂ خاک شفا پر ہیں پیاسوں کے لہو کی تحریریں

عاشور کی شب جب آنکھ کھلی تھے عونؑ و محمدؑ میں شور سے
یا شمر کا تن سے سر کاٹا یا اپنے گلے اور شمشیریں

شبیرؑ نے نقلِ منزل کا عباسؑ جری کو حکم دیا
اے دریا تجھ سے رخصت ہیں خیموں کے کلس اور تنویریں

ہیں رشک کے قابل اب تک وہ دیوار و میں جو کام آئے
کیا سچا عشقِ مولا تھا کیا لوگ تھے اور کیا تقدیریں

اعدا نے جتنی سختی کی مائل بہ تحمل ہوتے گئے
زواروں کے ریلے بڑھتے گئے ناکام رہیں سب تدبیریں

مدت سے جو ارماں بیاہ کے تھے وہ خاک سناں نے کر ڈالے
ہیہات کہ دکھیاری ماں کے کیا خواب تھے کیا تھیں تعبیریں

قربان جناب زینبؑ کے بلووں میں کھلے سر اونٹوں پر
وہ کام کیے ہیں خطبوں میں جو کام نہ کرتیں شمشیریں

ہیں کرب و بلا کے دامن میں مجموعے حق و باطل کے
کچھ غرقِ ندامت تدبیریں کچھ سر بہ فلک وہ تعمیریں

نہ پوچھ وقارِ نوحہ گر اے دورِ یزیدی کیا دیکھا
محکم تھا صبرِ آلِ نبیؐ یا استبدادی زنجیریں

حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ صداقت کی فتح عظیم

(از جناب مولوی محمد حبیب الثقلین صاحب ادیب فاضل فقیہ فاضل سند الافاضل بیرکامل پروفیسر سید المدارس امروہہ)

دنیا میں سیکڑوں لڑائیاں ہوئیں جابر و قاہر سلطنتوں نے ہمیشہ حق سے مقابلہ کیا قتل و غارت کے بازار گرم رہے اہل حق طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا کئے گئے انبیاء و رسل کے حالات دیکھئے کہ کسی رسول و نبی کا زمانہ ظلم و مصیبت سے خالی نہیں حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم تک کس کس طرح خدا کے برگزیدہ بندوں کو ایذائیں پہنچائی گئیں اور ہر ہادی و رہنما کے زمانہ میں ان کو جھٹلانے والی اور تکلیف پہونچانے والی جماعت اٹھی دنیا والے ہر ممکن طریقہ سے انبیاء کے کار منصبی کی انجام دہی میں سنگ راہ بنتے رہے حضرت موسیٰ نے کس کس طریقہ سے تبلیغ رسالت کی سیکڑوں معجزات دکھلائے لیکن پھر بھی فرعون ایمان نہ لایا اور ان کو جھٹلاتا رہا حضرت ابراہیمؑ نے خدائی مذہب کے نشر و اشاعت میں کیا کیا نہ کیا مگر نمرود ایمان نہ لایا آگ میں پھینکا آتش کدہ تیار کیا لیکن اس نے ہمت بڑھا حضرت یحییٰؑ کا سر کاٹا گیا حضرت نوح نے کیسے کیسے مصائب برداشت کئے اور انھیں لوگوں کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھائیں جنھوں نے انکار نبوت پر کمر باندھ لی تھی غرض کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا جو کسی نبی یا ولی کو آلام و مصائب میں گرفتار نہ ہونا پڑا ہو۔

خاتم الانبیاء کا زمانہ بھی ایسا سخت تھا جو انبیاء سلف کے زمانہ سے کہیں بڑھا ہوا ہے اس دور کی مصیبتیں گزشتہ انبیاء کے زمانہ کے مصائب سے کہیں زیادہ سخت تھیں سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اس زمانہ میں ایک گروہ منافقین کا ایسا تھا جو باطن میں کفار کے ساتھ تھا اور بظاہر یہ کہتا تھا کہ ہم تو محمدؐ پر ایمان لائے ہیں اور رسول کو اس کا یقین دلاتا تھا کہ وہ سچے مسلمان ہیں اور اندر ہی اندر کفار کو مسلمانوں کے اندرونی حالات سے آگاہ کرتا تھا پھر بھی پیغمبر اسلام نے تبلیغ کی اور ایسی کی کہ اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور دین اسلام کو مکمل کر کے چھوڑا مگر منافقین امت اور ان مصنوعی مسلمانوں کا مکر رنگ لا کر رہا ادھر رسولؐ کی آنکھیں بند ہوئیں ادھر یہ جماعت خاندان رسول کی تباہی پر کمربستہ ہوگئی رسولؐ کی وفات کے بعد ان لوگوں کے برسوں کے بغض و عناد اہلبیت رسالت کے مقابل میں ظاہر ہونے لگے بنی امیہ نے آل رسول کی بیخکنی شروع کردی یزید انھیں میں کی ایک فرد تھا جانشینی رسولؐ کا مدعی خلافت اسلامیہ کا دعویدار زنا کار و شرابخوار ماں بہنوں کو جائز و مباح سمجھنے والا شعائر اللہ کی توہین کرنے والا یزید چاہتا ہے کہ اپنی بدکاریوں کے مقابلہ میں دنیائے اسلام کا سر تسلیم خم کردے مگر ساتھ ہی یہ خوف ہے کہ خاندان رسالت کسی نہ کسی وقت صدائے نفرین بلند کرکے رہے گا لہذا جلد از جلد فرزند رسولؐ سے جو خاندان رسالت کے سردار ہیں بیعت لینا ضروری

ہے تاکہ میرے ان تمام افعال پر مُہر تصدیق ثبت ہوجائے ورنہ اس آفتاب امامت کو خاک سے آٹ دینا چاہیے تاکہ دُنیا میں اندھیرا ہوجائے اور چاروں طرف کفر کی تاریکی پھیل جائے اور پھر عالم میں کوئی شخص میرے ان وحشیانہ حرکات پر ملامت کرنے والا باقی نہ رہے گا"

یزید بظاہر رسولؐ کا کلمہ گو تھا لیکن اسلام کا حقیقی دشمن تھا شریعت رسول میں نئے نئے رخنے پیدا کردئے نماز روزہ وحج کی توقیر وعظمت مٹانے پر کربستہ ہوگیا اسکی نظر میں مسلمانوں کے خون کی کوئی قدر وقیمت نہ رہی بلاخوف وخطر ان کا خون حلال کردیا رسول اللہؐ کی برسوں کی تعلیم پر اس نے ایکدم میں پانی پھیر دینا چاہا اب اس پُرخطر اور تاریک زمانہ میں جبکہ اسلام و اسلامیات پر ایسے بہیمانہ حملے ہورہے تھے اور پیغمبر اسلام کی ساری محنت ضائع ہونے والی تھی امام حسینؑ کیلئے جو فرزند رسولؐ اور اپنے نانا کے دین کے محافظ تھے کس طرح ممکن تھا کہ اسلام کا نقشہ بگڑتے ہوے دیکھیں آپ جانتے تھے کہ اسوقت اگر میں نے خاموشی سے کام لیا تو وہ نسلیں جو آیندہ آنیوالی ہیں اس شیطانی حکومت سے کیا سبق حاصل کرنے کی اور کہانتک وہ مسلمان کہے جانے کی مستحق ہونگے یہ دیکھکر حسینؑ نے بھی طے کرلیا کہ چاہے میدان کربلا یزیدی فوجوں سے پٹ جائے میرا سر کٹ جائے سارا گھر لٹ جائے لیکن اسلام کو زندہ کرکے چھوڑوں گا اور وہ فیصلہ کن جنگ کرکے دکھاؤں گا جس کو قیامت تک لوگ نہ بھولیں گے اور اس مسئلہ بیعت کا وہ خاتمہ کروں گا کہ آیندہ کسی ہستی کو یہ جرأت نہ ہوسکے گی کہ خاندان رسالت وائمہ اہلبیت سے بیعت کا طالب ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پھر خاندان رسالت کے کسی فرد سے کسی کو طلب بیعت کی جرأت نہ ہوئی لہذا حسینؑ اپنا سر دینے کے لئے کھڑے ہوگئے کربلا میں پہونچے اور اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچایا اور کفر و یزیدیت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا اور وہ عظیم الشان فتح حاصل کی جس نے عرب وعجم و دیگر بلاد عالم کے قلوب کو اپنا تابع ومسخر کرلیا اگرچہ کچھ لوگوں نے یزید سے بیعت کرلی تھی اس بدعملی سے خود ان کے منھ کالے ہوے لیکن حسینؑ نے اپنے عمل سے اسلام کا چہرہ داغدار نہونے دیا حسینؑ نے اپنی فتح سے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ حق و صداقت میں کتنا زور ہے ایک وہ شخص جس کے پاس لڑائی کا ظاہری سامان نہ ہو اور بالکل غیر مسلح ہو لیکن سچائی کے ہتھیاروں سے دنیا پر کامل فتح حاصل کرسکتا ہے اور لوگوں کے قلوب کو بہت آسانی سے اپنی طرف مائل کرسکتا ہے حسینؑ میدان صبر و استقلال و شجاعت کے ایسے فاتح اور شہرت عالم کے ایسے حقیقی مالک ہیں کہ جن کو وہ فتح حاصل ہوئی ہے جو حضرت آدم سے لے کر حضرت قائم تک اور حضرت خاتم سے لے کر اب تک اور اب سے قیامت تک نہ کسی کو حاصل ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے اور جس کو گردش زمانہ صفحۂ عالم سے کبھی محو نہیں کرسکتی۔

ابرِ رحمت بن گیا ہے دامنِ تر دیکھیے

(از جناب سید سجاد حسین صاحب شدیدؔ لکھنوی)

ہے یہ تاثیرِ شرابِ حبِ حیدر دیکھیے
ابرِ رحمت بن گیا ہے دامنِ تر دیکھیے

کون نفس اللہ ہے کس کا ہے یہ گھر دیکھیے
ڈھونڈھیے تو کون ہے کعبہ کے اندر دیکھیے

ہر طرح حکمِ نبی ہے یہ عبادت کا ثواب
ذکرِ حیدر کیجیے یا روئے حیدر دیکھیے

کہتے ارنی حضرت موسیٰ یہاں پیدا ہوئے
آتے اس آئینہ میں روئے حیدر دیکھیے

باب دوزخ تک پہنچ کے سوئے جنت پھر پڑے
ساتھیوں کا حُر کے اور حُر کا مقدر دیکھیے

منتخب پیغمبروں کی شان اگر ہو دیکھنا
خود نبی فرما گئے ہیں روئے حیدر دیکھیے

آخری تاثیرِ غمِ شہ دفعتاً سب دھو گئے
ایک آنسو دیکھیے عصیاں کے دفتر دیکھیے

وقت تکبیر ہے اب نہ چھیڑو ورنہ دیتا ہوں صدا
یہ سناتے ہیں مجھے ساقیِ کوثر دیکھیے

خاکساری سیکھیے بن کے غلامِ بوترابؑ
زر سے منھ کو پھیرئے سوئے ابوذرؓ دیکھیے

کہتی تھیں زہراؑ نبیؐ سے ذبح ہوتے تھے حسینؑ
زیرِ خنجر بھی مرے بچے کے تیور دیکھیے

دہر میں جب قدردانی ہی نہیں ہے اے شدیدؔ
کیا ہنر دکھلائیے اور کس کے جوہر دیکھیے

دُنیا میں

(از جناب میر اکبر حسین صاحب اقدسؔ ہیڈ اسسٹنٹ)

پھر ماہِ محرم آیا ہے مومن ہوئے گریاں دُنیا میں
افلاک پہ غل ہے شیون کا ہے سوز کا ساماں دُنیا میں

پھر تعزیہ خانہ سجنے لگے استادہ علم پھر ہونے لگے
چرچا شہِ دیں کے قتل کا پھر ہوتا ہے نمایاں دُنیا میں

اے چرخِ کہن کچھ یہ تو بتا تو نے یہ گوارا کیسے کیا
شبیرؑ کا پھٹتے دیکھا ہے کیوں تو نے گریباں دُنیا میں

بے شیر کی میت ہاتھوں پہ شبیرؑ لئے روتے ہیں کھڑے
افسوس مسلماں کوئی نہیں شبیرؑ کا پرساں دُنیا میں

مرنے کو چلا ہمشکلِ نبی باقی نہ رہا حضرت کا کوئی
اب خواہش سرورؑ کیا ہوگی جز موت کا ارماں دُنیا میں

عباسؑ کٹا کے ہاتھوں کو دریا کے کنارے سوتے ہیں
شدت سے عطش کی دخترِ شبیرؑ کی نالاں دُنیا میں

قاتل ہوا ششدر حد سے سوا دیکھا ابنِ علیؑ کو محوِ دعا
شکوہ کے عوض کرتا ہو دعا دیکھا نہیں انساں دُنیا میں

صغراؑ کو یہ خط میں شہ نے لکھا کیا حال لکھوں اکبرؑ کا بھلا
راس آئی انھیں جنت کی ہوا بابا بھی ہے حیراں دُنیا میں

نوحہ کا صلہ اقدسؔ کو ملا پائی ہے مرض سے اُس نے شفا
ہو ابنِ علیؑ سا پشت پناہ کیوں خوف ہو نادان دُنیا میں

آبروئے وفا

(از جناب سکندر یعقوب صاحب)

دوستی و محبت، عشق و وفا، یہ وہ الفاظ ہیں جو روزمرہ دُنیا کی زبان پر آتے رہتے ہیں لیکن بہت کم ایسے مواقع نظر آتے ہیں۔ جہاں یہ الفاظ شرمندۂ معنی بنتے ہوں۔ دُنیا نے اپنی سوانح حیات میں یوں تو ہزاروں ہی مرقع عشق و محبت کے پیش کر ڈالے لیکن جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا نے اپنی طویل عمر میں جتنے مرقع بھی عشق و محبت کے پیش کئے وہ سب ہیچ ہیں کربلا کی اس قرباں گاہِ محبت کے سامنے جس کو یوم عاشور نے صرف بارہ گھنٹے میں پیش کر کے دکھا دیا۔ دُنیا انھیں بھول جائے مگر مادرِ تاریخ آج بھی انھیں اپنے سینے سے لگائے ان کی قربانیوں پر آفریں کی صدا بلند کر رہی ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ امتحان عشق و وفا کی وہ لازوال قربانیاں تھیں جن کو اسکے قبل نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا تھا۔ عقل حیران ہے کہ آخر انھوں نے اس بار کو اٹھا کیسے لیا جو انسانی قوت سے کہیں بلند تھا۔ دنیا کے انسان فطرت پر مٹتے ہیں مگر برخلاف اسکے کربلا والے انسان فطرت سے جنگ کرتے تھے۔ لڑے اور یوں لڑے کہ آخر فطرت کو مغلوب کر کے مجبوراً ایک طرف لشکر کی کثرت، چمکدار تلواروں کی خوفناک جھنکار، سیم و زر کے سنہرے روپہلے سکوں کی نظر فریبی، حکومت کا جاہ و حشم دولت و سطوت کا ہوش رُبا اقتدار اور دوسری طرف چند بچوں بوڑھوں کی چھوٹی سی جماعت دولت و سطوت کا تو ذکر ہی کیا پانی کی نایابی بھوک کی شدت حکومت کا ڈر پیارے پیارے بچوں سے ہمیشہ ہمیشہ کی جدائی یہ سب کچھ تھا مگر پھر بھی آخر میں اے کربلا والو! تم نے دولت و سطوت کو یوں ٹھکرا دیا کہ مڑ کر نظر تک نہ کی فطرت کھینچ رہی تھی کہ یزیدی لشکر میں مل کر لذت عیش و تنعم سے مستقبل کو خوشگوار بنایا جائے۔ مگر حسینؑ کی محبت کہہ رہی تھی کہ نہیں بلکہ عیش و طرب کو بھوک پر اور دولت و سطوت کو عزت پر قربان کر کے آئندہ حیات کو عمل کا زریں شاہکار بنا دیں۔ دنیا میں کہاں یہ طاقت کہ تمھاری اس تاریخ کو صفحہ عالم سے مٹا سکے جو تم نے خاک و خون میں لتھڑ کر اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے صفحہ ابدیت پر اپنے ہی خون سے آخر وقت لکھ دیا تھا۔ تم عشق و محبت پر قربان ہو کر ابدی قید میں محو خواب ہو گئے۔ لیکن دُنیائے محبت تمھارا نام لے کر جاگ اٹھی۔ یزیدی لشکر جہاں دولت کی فراوانی سپاہی کھانے پینے سے سیر تھے مستقبل کی خوشنما آیندہ امیدیں ظاہری فتح کی شکل میں مسکرا رہی تھیں۔ دل بڑھانے کے لئے پے در پے یزیدی فوجیں ہر چہار طرف سے امنڈ رہی تھیں عمر سعد کا لشکر بحر بیکراں کی طرح موجیں مار رہا تھا، لیکن پھر بھی عمر سعد کو اپنی عظیم

فوج حسینؑ کی چھوٹی سی جماعت سے لڑانے کے لئے جوش بھری تقریروں اور دولت کی طمع دلا دلا کر ابھارنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسپر بھی یہ عالم تھا کہ سپاہی مقابلہ کرنے سے دم چراتے تھے۔ حسینؑ کی بہادر حق پرست وفادار فوج کا دلاور سپاہی عابس ابن شبیب جس وقت ذرہ و بکتر اتار کر تن تنہا میدان جنگ میں آکر رجز پڑھتے ہیں تو یزید کی فوج میں سے کسی میں اتنا دم نہیں رہتا کہ مقابلہ کو نکلے بلکہ دور ہی سے تیروں کی بارش کی جاتی ہے پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ عابس! میدان جنگ میں جا رہے ہو ذرہ و بکتر کیوں اتارتے ہو تو یہ وفادار بہادر جواب دیتا ہے کہ ذرہ و بکتر تو وہ پہنتا ہے جسے اپنی جان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے، مجھے تو اپنی جان فرزند رسول پر فدا کرنا ہے۔ یہ تھی وہ روح وفا جو خون بن کر ان کی رگ و پے میں دوڑ رہی تھی۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ دنیا نے انکے علاوہ اور بھی وفا کے مرقع پیش کئے ہیں لیکن ایک وقت اور ایک دن میں بہتر مثالیں ایک سے ایک بڑھ کر پیش کر دینا یہ صرف حسینؑ ہی کا کام تھا خود امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ "لا اعلم اصحابا اوفی من اصحابی" جیسے باوفا اصحاب مجھے ملے ویسے کسی کو نہ ملے۔

حسینؑ تیروں کی بارش میں فریضۂ ظہر ادا کرتے ہیں کھلا ہوا میدان ہے کوئی آڑ نہیں کوئی روک نہیں کمانیں کڑکتی ہیں تیر سر ہوتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ حسینؑ تک ایک تیر بھی نہیں پہونچتا۔ کیوں فقط اس لئے کہ ابھی زہیر قین اور سعید ابن عبداللہ جیسے وفادار دوست زندہ ہیں۔ تیروں کو روکنے کے لئے کوئی شے نہیں ہے۔ نہ ہو لیکن زہیر و عبداللہ کے پہاڑوں سے ٹکرانے والے سینے اور ان میں عزم و استقلال اور اس عزم میں جوش وفا کی تڑپتی ہوئی روح موجود ہے۔ تیر آتے ہیں اور یہ بہادر آغوش شوق کی طرح سینے تان کر تیروں کو لے لیتے ہیں۔ ہزارہا تیر پیوست ہو چکے ہیں مگر اللہ رے ثبات نفس قدم تک نہ ڈگمگائے۔ فقط اس لئے کہ ابھی حسینؑ کی نماز ختم نہیں ہوئی تھی۔ ڈر تھا کہ کہیں کوئی تیر حسینؑ تک نہ پہونچ جائے۔ یہ تھیں وہ فردیں جو پیکر وفا کی روح اعظم تھیں جن کی بارگاہ جانثاری میں آج بھی وفا کی دیوی سر نیاز جھکائے دست بستہ حاضر ہے۔

حسینؑ غریب کے نام کی غریب انجمن کی طرف سے

ایام عزا کا آخری دن

بمقام کربلائے دیانت الدولہ شہر لکھنؤ

۸ ربیع الاول جس حسینؑ غریب کی عزا کا آخری دن ہے اسی امام مظلوم کے شبیہ روضہ پر عرصہ سے یوم غم منایا جاتا ہے لہذا دست بستہ گذارش ہے کہ قبل سالہائے گذشتہ امسال بھی صبح سے سہ پہر تک تشریف لاکر اپنے مہمان امام کو رخصت کیجئے۔

المشتکے الفایو

حسینی غریب کے غریب ماتم دار ممبران انجمن حسینیہ قدیم کربلائے دیانت الدولہ شہر لکھنؤ

کون حسینؑ!

(از جناب سید طلیس ترمذی ادیب عالم منشی فاضل جھپاری)

کائنات کا خلاصہ۔ نبیؐ کا نواسہ۔ علیؑ کا پیارا۔ بتولؑ کا دلارا۔ حسنؑ برادر۔ عرب کا دلاور۔ امامت کا آفتاب۔ خلافت کا ماہتاب۔ جنت کا سردار۔ حریت کا علمبردار۔ نینوا کا شہید۔ فرات کا پیاسا۔ حق کا حامی۔ حکومت ظلم کا ہادم۔

جس نے گھر اور گھر کی سب کائنات کو تباہ کرکے علیؑ اکبر سے کڑیل جوان۔ علی اصغرؑ سے معصوم شیر خوار۔ قاسمؑ ایسے خوبرو نونہال اور عبداللہ ایسے غنچۂ نوشگفتہ۔ عون و محمد ایسے گلہائے پُر بہار عباسؑ جیسے جری اور بہادر علمدار۔ حبیب ایسے پیرِ ضعیف۔ حُر ایسے دلاور مہمان اور وہب ایسے دولہا کو راہِ خدا میں قربان کرکے خود تیروں کی بارش میں خون سے نہا کر تلواروں کے سایہ میں عبادت گزار کر اور شمر کے خنجر کے تلے سجدۂ یزداں ادا کرکے خدا کا نام۔ رسول کا کلمہ۔ قرآن کی عظمت کعبہ کی وقعت۔ علیؑ کی محنت کو ملیا میٹ ہونے سے بچایا۔ خلق خدا کو بدیوں اور کفر و الحاد کے بے پناہ سیلاب میں غرق ہوتے ہوئے نکالا۔ خود مٹ گئے مگر دینِ خدا کو نہ مٹنے دیا۔

حسینؑ!

علمبردار حریت تھے۔ وہ یزید کو نہیں بلکہ یزیدیت کو مٹانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنا بلند ترین نصب العین خون میں نہا کر اور نقد جان کربلا کی قربانگاہ میں نینوا کے تپتے ہوئے میدان میں تین روز بھوکا پیاسا رہ کر نچھاور کیا۔ اور جان پر کھیل کر پرچم حقانیت کو لہرایا۔ اور یزیدیت کے جھنڈے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرا کر قصرِ یزیدیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

ع واللہ اے حسینؑ کارے کردی۔

کون یزید؟

ننگ انسانیت۔ معاویہ کا بیٹا۔ ابوسفیان کا پوتا۔ بدکردار۔ بدمعاش۔ ظالم۔ فاسق۔ فاجر۔ بوالہوس۔ بہائم صفت ظلم و ستم کا سرچشمہ۔ جور و تشدد کا مخزن جبین اسلام پر بدنما داغ۔ اہلبیت کا دشمن۔ اولاد علیؑ کا جلاد۔ حسینؑ کا قاتل جس نے مساجد کو میکدہ۔ معابد کو قمار خانہ بنایا۔ آلِ رسول کو قتل کیا۔ شمع امامت کو ظلم و ستم کے جھونکے دیکر بجھایا۔ اور دنیا سے حق کو تباہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

یزید! ظالم تھا۔ اس نے کربلا کے لق و دق صحرا میں رسول کی آل کو جس کا کلمہ پڑھتا تھا۔ تین دن بھوکا پیاسا رکھکر قتل کرایا۔ ان کے خیام کو آگ لگائی ان کی مخدرات کو بے مقنع و چادر کیا۔ مقتولین کے سر نیزوں پر بلند کئے۔ آلِ نبیؐ اولاد علیؑ کو پابہ زنجیر کرکے تشہیر کیا مگر نتیجہ کیا نکلا ؎

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؑ جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

یزید! مٹ گیا۔ یزیدیت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی مگر حسینؑ باقی ہے اور حق پر مٹنے والے کا نام بھی زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ دراصل ع۔

زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

عید کا دن بھی بعنوانِ محرم چاہیئے

(از جناب کمال عظیم آبادی)

غم میں شاہ کربلا کے جلوۂ غم چاہیئے
جو رُلا دے چشم عالم کو وہ ماتم چاہیئے

دولتِ کسریٰ نہ ہم کو شوکتِ جم چاہیئے
اک دل ماتم زدہ اک چشم پُرنم چاہیئے

شہ کے ماتم دار کو ہر روز ماتم چاہیئے
عید کا دن بھی بعنوانِ محرم چاہیئے

ہاتھ میں لوہے کی قوت سینے میں دم چاہیئے
پھر حسینؑ ابن علیؑ پر تم کو ماتم چاہیئے

ساقیِ کوثر کا بیٹا اور پیاسا ہو شہید
اک ذرا انصاف تم کو اہلِ عالم چاہیئے

ناز کے پالے ہوئے ہیں سب کے سب اے دشمنو
اہلبیتِ مصطفےٰ پر ظلم کم کم چاہیئے

قوتِ صبر و رضا بیدار کرنے کے لئے
کشتۂ مظلومیت کا ذکر پیہم چاہیئے

شہ کی جانب حُر چلے جس دم تو دشمن نے کہا
ہم کو جنت چاہیئے تم کو جہنم چاہیئے

گھر کی رونق منحصر ہے ایک ہنگامے پہ جب
نغمۂ شادی کے بدلے نوحۂ غم چاہیئے

شہ کی مظلومی پہ رونا عین فطرت ہے مگر
ہم کو پہلے اپنی بربادی کا ماتم چاہیئے

آنسوؤں کے واسطے رومال زہراؑ لائی ہیں
دامنِ گلزار کی زینت کو شبنم چاہیئے

شاہ کے سر نے کہا زینبؑ سے وقتِ بددعا
تم کو اُمت کا خیال اے فخرِ مریم چاہیئے

قبر کی تنہائی میں ہونگے علیؑ جب اے کمال
ہم کو مونس چاہیئے کوئی نہ ہمدم چاہیئے

طوفانِ زندگی

از جناب نواب مرزا سجاد علی خان صاحب اختر لکھنوی بی' اے' بی' ٹی (علیگ)
مصنف "شاہ نامۂ ایمان"

کیفِ عمل حقیقتِ عرفانِ زندگی
مرگِ حسین حاصلِ ایمانِ زندگی

شعلہ بہ سر چراغِ شبستانِ زندگی
گلگیرِ انقلاب بہ دامانِ زندگی

آنکھوں میں پھر رہی ہے جو تصویرِ کربلا
نیچی نظر کئے ہیں پشیمانِ زندگی

قطرے نہیں عرق کے سجودِ نیاز میں
زیبِ جبینِ عزم ہے افشانِ زندگی

ویرانۂ اجل میں رواں ہر وفا کا خوں
سرسبز ہو رہا ہے بیابانِ زندگی

کیونکر ابھی سے رشتۂ اُمید توڑ دوں
باقی ہے دلنوازی امکانِ زندگی

جن کی جھلک بھی منزلِ ہستی کی رہنما
وہ صورتیں ہیں نور کی قرآنِ زندگی

عصمت کے گھر میں ایک روا ایک آسیا
یہ مریمِ حیات یہ سامانِ زندگی

اے گوشہ گیر نقطۂ آئینِ کائنات
ہر کشمکش ہے مرکزِ پیمانِ زندگی

گرتی رہیں یونہی جو کشاکش کی بجلیاں
پھولے پھلے گا خاکِ گلستانِ زندگی

سُرمہ لگا کے راہِ حوادث کی گرد کا
ذرّوں کو چن رہے ہیں پریشانِ زندگی

سُن کر اسیرِ شام سے پیغامِ حُریت
آزاد ہو رہے ہیں غلامانِ زندگی

اے کربلا شہید کے قدموں پہ ناز کر
دوشِ نبیؐ ہے تختِ سلیمانِ زندگی

اخترؔ وفا کے خون سے ملتے ہی بن گئی
موجِ فرات ساحلِ طوفانِ زندگی

حقِ علمداری

(از جناب سبط حسن صاحب انجم پوروی - پوسٹل اسسٹنٹ دھنباد)

(یہ مضمون ایک مشہور مرثیہ سے ماخوذ ہے)

(نویں محرم کی شب کربلا کے بہادر ہیرو حسینؑ ابن علی علیہ السلام کی زندگی کی آخری شب ہے۔ فوج یزیدی جنگ پر تلی ہوئی ہے۔ ایک طرف شوقِ قتل وغارت ہے تو دوسری جانب آرزوئے عروس شہادت۔ جوں جوں رات گزرتی جاتی ہے سپاہ حسینی کے جانباز سپاہی سینے تانے ہوئے کبھی مٹھیاں بند کرتے اور کھولتے ہیں کبھی میان سے تلواریں نکال نکال کر قبضے چوم لیا کرتے ہیں پردۂ شب چاک کر دینے کا عزم بھی تنے ہوئے سینوں میں ہو تو کچھ دور نہیں)

صبح ہوئی لیکن ایسی کہ نہ کبھی اُس سے پہلے ہوئی تھی اور نہ بعد۔ جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ آئیے ذرا چشم تصور سے خیمہ عصمت وطہارت کا منظر دیکھیں۔

بیرون خیمہ

قمرِ بنی ہاشم جناب ابو الفضل العباسؑ۔ امام عالیمقام کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہیں رفقائے امام حلقہ باندھے ہوئے گرد کھڑے ہیں۔

امام علیہ السلام: (مجمع کی طرف مخاطب ہو کر) میرے جانباز سپاہیو! قبل اس کے کہ ہمیں دشمنوں کے حملہ کا جواب دینا پڑے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی فوج کا علم کسی ایسے شجاع اور وفادار شخص کو عطا کریں جو اس کا حقدار بھی ہو اور اہل بھی۔

رفقائے امام: ضرور ضرور مولائے دو جہاں ضرور۔

امام علیہ السلام: (جناب عباسؑ پر نظر ڈالتے ہوئے) عباسؑ۔ جانِ برادر۔ لو یہ نشان فوج خدا سنبھالو۔ یہ تمہارے لئے ہے اور تم اس کے لئے۔ ماشاء اللہ تم خود واقف ہو کہ حامل علم کتنی ذمہ داریوں کا بار اُٹھاتا ہے۔ وہ بھی ایسے نازک وقت میں جبکہ ہم میں سے ایک ایک کو تن تنہا ہزاروں دشمنان خدا کا مقابلہ کرنا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر تمہارا اور تمہارے علم کا محافظ ونگہبان رہے۔ تبارک اللہ تعالیٰ۔ ادھر آؤ میرے سینہ سے لگ جاؤ (جناب عباسؑ جھکی ہوئی نظروں سے اپنے آقا۔ امام اور بھائی سے بغلگیر ہو جاتے ہیں) (میدان کربلا نعرۂ تکبیر۔ صدائے درود اور شور مبارکباد سے گونج اُٹھتا ہے۔ مجاہدین میں سے کوئی عباسؑ علمبردار کی پیشانی پُرنور پر بوسہ دے رہا ہے کوئی سینۂ مصفا سے فرط مسرت سے چمٹا جا رہا ہے اور کوئی دست ہائے مبارک کو آنکھوں سے لگا کر چوم رہا ہے۔

اندرون خیمہ

عُلیا حضرت جناب زینب علیہا الصلوٰۃ والسلام نعرۂ جوش خروش سُن کر والہانہ انداز میں اپنے محبوب ترین بھائی حسینؑ کی سلامتی کے لئے دل میں دعائیں کرتی ہوئی فرماتی جا رہی ہیں "ربالعزت عباسؑ کو یہ عہدہ علمداری راس آئے۔ (فضہ کنیز دیرینہ سے مخاطب ہو کر) ارے فضہ کچھ دیکھا بھی تم نے۔ بھیا حسینؑ نے

کس پیار سے ہمارے عباسؑ کو علم دے کر چھاتی سے لگایا ہے۔ بابا علی مرتضیٰ فرماتے تھے کہ اسی انداز سے بالکل اسی انداز سے نانا رسول (صلعم) نے انہیں جنگ خیبر میں علم بخشا تھا۔ الہ العالمین! جیسے بابا علی مرتضیٰ کو تو نے فتحمند کیا تھا اُسی طرح عباسؑ کو بھی سُرخرو کردے۔ ہاں۔ فضہ! ذرا عباس علمبردار کو خیمہ کے اندر تو بلا لاؤ۔ اللہ عہدہ علمداری پاکر عباسؑ کہیں ہم غریبوں کو بھول تو نہیں گئے۔ ذرا میں اُن کے شانوں کا بوسہ تو لے لوں۔"

عون و محمد خیمے کے اندر داخل ہوتے ہیں

"مادر گرامی۔ مادر گرامی" جناب زینبؑ بچوں کی آواز سُن کر چونک پڑتی ہیں۔ ماں کی ماتا پھول سے رخساروں کی بلائیں بھی نہ لینے پائی تھی کہ عون و محمد کی شکل میں حزن و ملال کی دو تصویریں نظر آئیں۔

"کیا ہے؟" (جناب زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کے اُترے ہوئے چہروں اور پُرنم آنکھوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بزرگانہ تمکنت اور مادرانہ شفقت کے ملے جُلے انداز سے پوچھا)

"مادر گرامی۔ مادر گرامی" (عون و محمد ڈرتے ڈرتے کہہ رہے تھے) "ایک بات پوچھوں۔" (عون کا لہجہ شکایت آمیز تھا اور محمد روٹھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بچوں کی نظریں ماں کے چہرے کا جائزہ لیتی ہوئی گویا بول رہی تھیں کہ ہمیں کسی سے شکایت ہے اور رنج بھی)

"کہہ ڈالو میرے پیارو۔ وہ کون سی بات ہے جس نے تمھیں غمگین بنا دیا ہے۔" جناب زینبؑ نے فرمایا۔

عون و محمد۔ مادر گرامی! ہم دونوں کے نانا جناب علی مرتضیٰ بھی!

جناب زینبؑ۔ یقیناً۔

عون و محمد۔ اور دادا جعفر طیار تھے۔

جناب زینبؑ۔ بے شک۔

عون و محمد۔ اچھا مادر گرامی! (رُک کر) لیکن آپ خفا تو نہ ہوں گی۔

جناب زینبؑ۔ نہیں نہیں کہہ ڈالو میرے لاڈلو۔ آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟

عون و محمد۔ مادر گرامی! ہم لوگ بھی تو علم پانے کا حق رکھتے ہیں۔ کیوں؟ فرمایئے رکھتے ہیں نا۔

جناب زینبؑ۔ (بچوں کے دل کا بھید پاتے ہوئے) بس عونؑ محمدؑ بس۔ میں سمجھ گئی تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ اللہ یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں کیا سوجھی۔ چہرے اس بات پر تمتمائے ہوئے ہیں آنکھیں اسی سبب سے سُرخ ہو رہی ہیں۔ اوہ تمہیں تو غصہ بھی آیا جا رہا ہے۔ ایں ایں۔ کانپ رہے ہو؟ یہ تم دونوں کو آخر ہو کیا گیا ہے۔ میرے معبود! میرے بچے مجھے دغا تو نہ دیں گے۔ میں تو انھیں کربلا میں اپنے ماںجائے حسینؑ پر تصدق کرتے لائی تھی۔ ردِ بلا کے لئے ان دونوں کو صدقہ دینے کی آرزو تھی۔ اب۔ اب کیا ہوگا انھیں کچھ اور ہی نظر آرہا ہے۔ میرا بھائی (گلوگیر آواز میں) مصیبت میں گرفتار ہے اور یہ ہیں کہ انھیں علم نہ ملنے کا غم ہے۔

"مادر گرامی! مادر گرامی" عون و محمد نے ماں کو غیض میں آتے دیکھ کر چپکے چپکے کہنا شروع کیا۔ ہماری پوری بات بھی تو آپ نے نہ سُنی۔ دیکھئے اماں جان ہمیں بے حد شرمندگی اور سخت ندامت ہے۔ ہم علی مرتضیٰ کے نواسے اور جعفر طیار کے پوتے کہلاتے ہوئے بھی حق علمداری سے نہ صرف محروم رکھے گئے بلکہ

ہم سے اس باب میں کچھ پوچھا بھی نہ گیا۔ گویا ہمارا وجود بیکار اور ہماری ہستی بے سود ہے۔ آپ ہی انصاف فرمائیں یہ بات شرمندگی اور خفت کی ہے یا نہیں۔ دل کی حسرتیں تو خیر دل ہی میں دفن ہو کر رہ گئیں ہم تو اب اس قابل بھی نہ رہے کہ ہم بچوں سے نظریں ملا سکیں۔ چھوٹے ماموں سے تو ہمیں اس امر میں کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ لیکن ہمیں شکایت ہے اور ہماری شکایت بجا ہے کہ ہم غلاموں کو ہمارے آقا۔ بڑے ماموں جان نے کیوں بھلا دیا۔ مانا کہ ہم ابھی کمسن ہیں۔ مگر شیر خدا کے شیر بچے تو ہیں۔ ہماری رگوں میں بھی تو وہی خون موجزن ہے جو ہمیشہ نانا رسول کی شریعت قائم رکھنے کے لئے بہتا ہی رہا۔ بڑے ماموں جان کے سامنے تو ہم سے نظر بھی نہیں اٹھائی جاتیں۔ اماں جان یہ بڑی مشکل ہم دونوں پر آن پڑی ہے۔ ہمارے وقار کو صدمہ پہونچ رہا ہے۔ آپ مشکل کشا کی بیٹی ہیں۔ بڑے ماموں سے ہم دونوں کی سفارش کر دیجئے۔

"خدا کے لئے چپ ہو جاؤ عون و محمد بس اب چپ ہی رہو"

جناب زینبؑ نے بدستور غصہ کے عالم میں ارشاد فرمایا۔ "میں پھر کہتی ہوں کہ تم دونوں آج کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ یہ وقت (خدا کسی کو یہ وقت نہ دکھلائے) جان دینے کا ہے یا علم لینے کا۔ بھیا حسینؑ سے تمہیں شکوہ ہے۔ شاباش عون و محمد شاباش۔ تم نے خوب ماں کا نام روشن کیا۔ حسینی شمع کے پروانو اگر دل میں تڑپ ہے اور تڑپ میں صداقت تو حسینؑ پر نچھاور ہو اور دم نہ مارو۔ بھلا سوچو تو کیسی نازیبا باتیں اس وقت تم دونوں کر رہے ہو۔ آقا کی مصلحت میں غلام کا دخل یہ ایک عجیب سی بات ہے۔ جب جانوں کہ جنگ کے لئے سب سے پہلے رن کی اجازت حاصل کر لو۔ اولاد علی تو علی کے نعل پر قربان ہونے کے لئے شہادت کی گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہے اور تم ہو کہ تمہیں علم کی فکر لگی ہوئی ہے ایسی ایسی باتوں پر دھیان دھرنا شیوہ مردانگی کے خلاف ہے ہی مسلک محبت سے بھی بعید ہے سپاہی صرف مرنا اور مارنا جانتے ہیں تم قضیۂ علمداری چھوڑ کر ماں کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے کیا حق محبت یونہی ادا کیا جاتا ہے۔ حسینؑ کے آڑے وقت میں کام آنے کے بجائے تم اپنے اپنے کام کی باتیں کر رہے ہو۔ شرم شرم عون و محمد شرم۔ دوش پر علم رکھنے کا سودا دل میں رکھنے سے کیا حاصل۔ سر پر تلوار کے گھاؤ کھانے اور دشمنوں کے خون میں نہانے کی سعادت حاصل کرو تو آب و جد کے نام بھی روشن ہوں گے اور مجھ دکھیا کا دل بھی شاد ہو جائے گا۔ عون و محمد یاد رکھو کہ تمہارے خون بھرے ہوئے رخسار ہی مجھے خاتون قیامت کے سامنے سرخرو کر سکتے ہیں۔ میرے بچوں تمہیں میرے دودھ کی قسم اب ایسی ضد نہ کرنا۔ مجھے تو یہ خدشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں تم دونوں کی باتیں عباسؑ علمبردار نے نہ سن لی ہوں۔ عون و محمد میرے دل کے ٹکڑو اب علم کا نام نہ لینا۔ بولو جلدی بولو۔ وعدہ کرو کہ پھر علم کا نام نہ لو گے" (ماں کا رخ دیکھ کر بچے بلبلا اٹھے سہمے ہوئے ننھے ننھے ہاتھوں کو جوڑ کر آگے بڑھے۔ ماں کے قدموں پر سر جھکا رہے تھے کہ یکایک جناب عباسؑ داخل خیمہ ہوئے۔

"مخدومۂ عالم! غلام تسلیم بجا لاتا ہے" (جناب عباسؑ ماں بیٹوں کی گفتگو سماعت فرما چکے تھے)

جناب زینبؑ: "سلامت رہو بھیا عباسؑ۔ مبارک ہو میرے شیر۔ حسینؑ کی فوج کی علمداری مبارک ہو"۔ (بچوں کی طرف

مخاطب ہوتے ہوئے جن کی نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں)
"عون و محمد چھوٹے ماموں آئے ہیں۔ باادب ہوکر تعظیم بجا لاؤ
اپنی فوج کے علمبردار کی خدمت میں تحفۂ تہنیت پیش کرو"
(جناب عباسؑ واقعات سے آگاہی رکھتے ہوئے انداز میں
زیرِ لب مسکراتے ہوئے عون و محمد کو سینہ سے لگالیتے ہیں اور
حد درجہ شفقت سے پیار کرتے ہیں)

جناب عباسؑ۔ مخدومۂ عالم! خدا ان بچوں کو اپنے بزرگوں
کے سایہ میں پروان چڑھائے۔ خیر تو ہے یہ آج اور خصوصاً
اسوقت غیر معمولی طور پر دل گرفتہ نظر آرہے ہیں۔ آپ نے
انھیں کچھ کہا تو نہیں۔ گرمی سے سنولائے ہوئے چہرے اور بھی سنولائے
جارہے ہیں۔

جناب زینبؑ۔ عباسؑ تم نے شاید ان دونوں کی باتیں
سن لی ہیں۔ دیکھو نا بھیا۔ ذرا ان کے سن و سال دیکھو اور
یہ عزم و ہمت ملاحظہ کرو۔ بھلا نشان فوج خدا انھیں کیونکر
دیا جاسکتا تھا۔ ایک تو ابھی یہ اس کے اہل نہیں دوسرے
یہ کہ خدا رکھے تمہارے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا علم کا
حقدار کیونکر ہوسکتا ہے۔

جناب عباسؑ۔ ماں کی طرح شفیق بہن! اگر عون و محمد کی
یہی خواہش ہے تو مضائقہ کیا ہے علم انھیں کو دیا جائے۔ ان کے
حوصلے بھی پورے ہوجائیں گے اور ہمتیں بھی بڑھ جائیں گی۔ باقی
رہا میں۔ مجھے نہ کسی عہدہ کی ضرورت ہے نہ حوصلہ افزائی کی
حاجت ہے اور نہ نام و نمود کی خواہش ہے۔ آقا حسینؑ کے
بے حد و حساب احسانات اور اُن کی بے پایاں نوازشیں کیا کم
ہیں کہ میں مزید الطاف و کرم کا خواہاں بنوں۔ میری خوش بختی
کا حال تو آپ پر ظاہر ہی ہے سرکار دو جہاں مجھے بھائی کہہ کر
پکارتے ہیں۔ اس سرفرازی کی حد بھی ہے؟ علم تو پھر علم ہے

. . . .

. . . . . . خواہر گرامی! اب ایسا کیجئے کہ عون و محمد
کا دل نہ میلا ہو۔ میں ہر حکم بجا لانے کو عین سعادت سمجھوں گا۔

جناب زینبؑ۔ بھیا عباسؑ کیوں نہ ہو تم ابن سخی ہو۔ کریم
ابن کریم ہو اب غم دیدہ بہن کا دل ان باتوں سے نہ دکھاؤ۔
یہ تو تم تھے اپنے عباسؑ جو ان بچوں کی باتوں پر تم نے کچھ
خیال نہ کیا ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو جانے مجھے کتنی ندامت ہوتی۔
بھیا خدا گواہ ہے کہنے کو تو یہ بچپنے کی باتیں کہہ گئے لیکن میری
گھڑکیاں سن کر ان کے ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ دیکھو یہ
اب بھی خوف و ندامت سے کانپ رہے ہیں۔ یہ تجھ سے معذرت خواہ
ہو رہے تھے کہ تم آگئے پھر یہ اور بھی شرم سے گڑ گئے۔
عباسؑ تم بھی تو ان کے بزرگ ہو انھیں معاف کردو بھیا۔
اپنی بہن کی خاطر معاف کردو اور ہاں دیکھو علم کے بارے میں
اب تم کچھ نہ کہنا۔ شہ والا نے جو کیا اُس میں میری بھی مرضی تھی
اور پھر سب سے بڑھ کر اس بات میں بابا علیؑ مرتضیٰ کی وصیت
سب پر بالا ہے عہدۂ علمداری تمہارے لئے مخصوص ہوچکا تھا۔
(بچوں کی طرف دوبارہ مخاطب ہوتے ہوئے) عون و محمد چھوٹے
ماموں جان کے قدموں پر سر رکھدو اور گڑگڑا کر معافی مانگو۔
(جناب عباسؑ سے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے) ہاں بھیا عباسؑ
اب ان دونوں کو معاف کردو۔ کہو میرے سامنے کہو کہ تم نے
انھیں معاف کردیا۔

جناب عباسؑ یہ آپ کیا فرما رہی ہیں مخدومۂ عالم! یہ بچے

مجھے اپنے ہی بچوں کی طرح پیارے ہیں۔ شیر خدا کی بیٹی کے شیر کی تاثیر کیا کہنا۔ میں تو چشم بد دور ان کی جراتوں پر عش عش کر رہا ہوں (عون و محمد کو دوبارہ چھاتی سے لپٹاتے ہوئے) جیتے رہو میرے شیرو تم نے اپنے دلیرانہ اقدام سے میرا دل باغ باغ کر دیا۔

جناب زینبؑ۔ بھیا عباسؑ! یہ کس کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ یہ سب تمہارا ہی حسن تعلیم ہے ان کی باتیں کہاں تک کہوں۔ جب تک اپنے نانا کے غزوات کا ذکر نہیں سن لیتے انھیں نیند ہی نہیں آتی۔ مرحب و عنتر کے سر جدا ہونے کا تذکرہ سن سن کر تو ان کے سینے تن جایا کرتے ہیں۔ اتنے قلیل سن میں تم نے انھیں کیسی کیسی باتیں سکھا دی ہیں بھیا۔

جناب عباسؑ علمدار فرط محبت سے بچوں کو گود میں اٹھا کر خیمہ کے باہر تشریف لیجا رہے ہیں ادھر پردۂ در اٹھتا ہے اور ادھر دعا کے لئے جناب زینبؑ کا ہاتھ۔ ادھر در کا پردہ گرتا ہے اور ادھر جناب زینبؑ کی آنکھوں سے آنسو۔

عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

(از جناب یاور حسین صاحب یاور رائے پوری)

رخصت وطن سے ہوتا ہے حیدر کا یادگار
سب اہلبیت جاتے ہیں ناقوں پہ اشکبار
روح رسول پاک ہے جنت میں بیقرار
آواز یہ بقیہ سے آتی ہے بار بار
عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

ویران اس سفر میں مدینہ نہ ہو کہیں
لٹنے کا دست ہی میں قرینہ نہ ہو کہیں
ساحل پہ غرق میرا سفینہ نہ ہو کہیں
پردیس میں یتیم سکینہ نہ ہو کہیں
زینبؑ نہ ہو غریب برادر کی سوگوار
عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

نور نظر سیاہ ہے دنیا نگاہ میں
ڈوبا ہوا ہے قلب غم بے پناہ میں
کوئی مرے حسینؑ کو روکے نہ راہ میں
پہنچا نہ دے نصیب کہیں قتل گاہ میں
ہے خوف مجھکو اس لئے کہتی ہوں بار بار
عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

سجادہ اطاعت مولا نہ چھوڑ لو
یعنی نماز عشق و تولا نہ چھوڑ لو
دامن وفا کا ہاتھ سے اصلا نہ چھوڑ لو
بیٹا مرے حسینؑ کو تنہا نہ چھوڑ لو
غربت میں مٹ نہ جائے محمدؐ کی یادگار
عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

یاور مدینہ کے در و دیوار روتے تھے
سب اہلبیت قیدی آزار روتے تھے
خود حریت کے قافلہ سالار روتے تھے
سرورؑ کو دیکھ دیکھ علمدار روتے تھے
آواز سیدہؑ کی جو آتی تھی بار بار
عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

"ماں"
تاریخ کی روشنی میں

(جناب سید شاہ حسین صاحب نقوی دہرہ دون)

"سنتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے"

میر انیس غفر اللہ لہٗ نے اس مصرع میں ایسی بات پیش کی ہے جس کی مثال دنیا کے کسی ادب میں ملنا دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے حالانکہ اس حقیقت سے کوئی انکار بھی نہیں کرتا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں تہذیب و تمدن۔ مذاہب اور رسومات کے اختلافات کے باوجود ماں کی بزرگی کا سب کو اعتراف ہے۔ ماں ہی وہ ہستی ہے جو انسانی محبت و اخوت کا صحیح معنوں میں مرکز کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اسی کی گود میں محبت کا ابتدائی اور انتہائی سبق یاد کرنے کے بعد دوسروں کو پڑھایا جاتا ہے۔ صرف ماں ہی کی آغوشِ تربیت میں انسان اپنے مستقبل کو روشن بھی بنا سکتا ہے اور تاریک بھی۔ اسی پر منحصر نہیں بلکہ یہی وہ آغوش ہے جہاں قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ جو مائیں اپنے اس فرض منصبی کو سمجھتی ہیں وہ زمانۂ حمل ہی سے اس کا مکمل طور پر اہتمام شروع کر دیتی ہیں۔ کسی وقت اپنے دل میں خوف و ہراس کو جگہ نہیں دیتیں ولادت کے بعد بچے کو بہادروں اور سورماؤں کے قصے سناتی ہیں ہندوستانی ماں کی طرح نہ وہ بھوتوں سے ڈراتی ہیں نہ جھوٹی اور بعید از عقل کہانیوں سے بچوں کا دل بہلانے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان بچوں کے تحت الشعور میں خوف و ہراس جگہ نہیں پاتے۔ ان کے ارادے اور حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ اپنے مستقبل کی عمارت نہایت شاندار بنانے کے واسطے ہر قسم کی قربانی کو تیار رہتے ہیں۔ بعض قدیم حکماء کے اقوال تو یہاں تک ہیں کہ بچے کی تعمیر میں بہ نسبت باپ کے ماں کا زیادہ حصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نو مہینے اپنے شکم میں رکھ کر اپنے خون سے پرورش کرتی اور ولادت کے بعد بھی کافی عرصہ تک اپنے دودھ سے اس کو پالتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ماں کے زیادہ اثرات قبول کرتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ لیکن حقیقت سے انکار کرنا بھی ظلم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بچہ اپنے خاندانی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اپنے آباؤ اجداد کی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ مگر آپ کی نگاہوں سے حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند کا قصہ بھی پوشیدہ نہ ہوگا خدائی قہر طوفان کے لباس میں نمودار ہو رہا ہے دیو پیکر موجیں زمین کی ہر چیز کو بڑھ بڑھ کر غرق کر رہی ہیں۔ خدا کا برگزیدہ پیغمبر نجات کی کشتی میں بیٹھا ہے۔ سامنے بیٹے کو ڈوبتے دیکھ کر محبتِ پدری جوش میں آ گئی فرمایا اب بھی میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن ناخلف بیٹے نے جواب دیا میں تمہارے خدا سے پناہ نہیں مانگتا۔ یہ معمولی باپ کی اولاد نہ تھا بلکہ نوح ایسے نبی کا فرزند تھا کیوں نہ باپ کا اہل اور خصوصیات کا حامل ہو سکا۔ خدانخواستہ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ انکی والدہ محترمہ پر حرف گیری کر سکوں میرا مقصد تو صرف آپ کو یہ بتلانا تھا کہ خاندانی اثرات

بھی کبھی بچہ قبول نہیں کرتا۔ ایسی مثالیں صفحات تاریخ پر آپ کو بہت مل جائیں گی لیکن غالباً کوئی نظیر ملنا غیر ممکن ہے کہ کسی بیٹے نے ماں کے حکم سے سرتابی کی ہو۔ لہذا یہ ماننا پڑیگا کہ بچہ کی پرورش و پرداخت میں ماں کے خون اور دودھ کے زیادہ اثرات ہوتے ہیں۔ انسان کی زندگی ماں کی آغوش میں بنتی اور بگڑتی ہے اور اس کا انحصار صرف ماں پر ہے۔ ایک مشہور ڈاکو سے پھانسی دیئے جانے سے پیشتر آخری خواہش معلوم کی گئی۔ اس نے جواب دیا میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ غرضکہ ماں بلائی گئی۔ لیکن آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ڈاکو کی طاقتور انگلیاں ماں کی گردن میں حمائل ہوگئیں یہاں تک کہ اسکی روح قفس عنصری کو چھوڑ کر پرواز کرگئی۔ پوچھنے پر ڈاکو نے بتایا کہ یہی وہ ہستی تھی جس نے مجھے اس شرمناک پیشہ کی جرات دلائی اگر یہ پہلی مرتبہ چرا کر چیز لانے پر رکھ نہ لیتیں تو میرا یہ انجام نہ ہوتا۔ دیکھا آپ نے یہ ہے وہ حقیقت جس پر پردہ ڈال کر پوشیدہ نہیں کیا جاسکتا۔

یہی تمام وجوہ تھے جن کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام ایسا مدبر اور شہر علم کے دروازے کو حضرت فاطمہ صدیقہ کی رحلت کے بعد کسی ایسے قبیلہ میں شادی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو بہادری میں فرد ہو۔ جناب عقیل کی رائے سے آپ نے ام البنین سے عقد کیا جو قبیلۂ بنی کلاب سے تھیں۔ یہ قبیلہ بنی ہاشم کے بعد عرب میں سب سے زیادہ ممتاز۔ بہادر اور شجاع تھا شعراء اس کی مدح میں قصائد کہنا باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ بہرحال حضرت علی کے کئی صاحبزادے جناب ام البنین کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ جو بہادری میں یکتائے روزگار تھے اور عرب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

لیکن ان سب صاحبزادوں میں حضرت عباس سب سے زیادہ بہادر، جری، شجاع اور ساونت ہونے کے باوجود وفا شعاری اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنا مقابل نہ رکھتے تھے خانوادۂ بنی ہاشم کے لئے آپ کی ذات گرامی باعث فخر تھی یہی سبب تھا کہ آپ کا لقب قمر بنی ہاشم مشہور ہوا۔ ان کی ذات وہ تھی جس کے لئے حضرت فاطمہ طاہرہ نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی کہ ایسا فرزند عطا فرما جو میرے حسین کی ہر کٹھن وقت میں امداد کرسکے۔ آپ کی پیدائش سے دعا قبول ہوئی۔ حضرت علی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور اصلیت تو یہ ہے کہ ذہن قدرت میں مقصد تخلیق ہی یہ تھا کہ حسین کی قیادت اور کربلا کے ریگستان میں باطل کی قوتوں کو نیست و نابود کرکے حق کا بول بالا کریں اور رسول کے پیغام کو عملی جامہ پہنائیں قدرت کے انتظامات ملاحظہ فرمایئے جب آپ پیدا ہوئے تو نہ آنکھیں کھولیں نہ شیر مادر کو منھ لگایا برابر گریہ کرتے رہے باری باری سب نے بہلانے کی سعی و کوشش کی لیکن ناکام رہے یہ بچہ کسی اور آغوش کی تلاش میں تھا حسین آئے عباس کو گود میں لیا زبان منھ میں دیدی۔ بچہ نے لعاب دہن چوسنا شروع کردیا آنکھیں کھول دیں۔ گھر میں خوشیاں منائی گئیں۔ آپ کے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالب نے بھی دنیا میں سب سے پہلے رسول کا لعاب دہن چوسا۔ اور چہرہ انور دیکھا تھا حسین سبط رسول تھے عباس نے باپ کی تاسی کی اور ثابت کردیا کہ یہی سبط رسول اور باعث نجات امت ہیں۔ عباس بھی حضرت علی کی طرح حسین کے ہمراہ سایہ کی

مانند رہے ۔ یہ معمولی انسان نہ تھے کسی نے کہا ہے کہ بچے کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں بچپن ہی میں آپ کے علم و فضل کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے ۔ باپ کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تعلیم حاصل کر رہے ہیں علیؑ فرماتے ہیں بیٹا کہو "ایک" آپ حکم کی تعمیل کرتے ہیں ۔ علیؑ کہتے ہیں کہو "دو" ۔ لیکن اب تعمیل نہیں ہوتی ۔ آپ دوبارہ حکم دیتے ہیں یہ پھر خاموش ہو جاتے ہیں ۔ دریافت کرنے پر عرض کرتے ہیں بابا جس زبان سے ایک کہدیا اس سے دو کیسے کہوں ۔ علیؑ فرط محبت سے عباسؑ کا منہ چوم لیتے ہیں ۔

آج دنیا یہ کہتی ہے کہ ایک بھائی دوسرے سے محبت نہیں کرتا ۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری مائیں اپنی یہ ذمہ داری محسوس نہیں کرتیں کہ وہ دو بھائیوں کے دلوں میں محبت و اتفاق کا ایسا بیج بوئیں جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے یہ فرض صرف ماں کا ہے ۔ اسی کی سعی و کوشش سے دو بھائیوں کی راہوں میں تفاوت نہیں رہتا ۔ سگے بھائیوں میں تو پھر بھی اتحاد ممکن ہے لیکن دنیا میں بہت سے واقعات ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ سوتیلی ماں اپنی اولاد کو ان کے سوتیلے بھائیوں سے اسقدر متنفر کر دیتی ہے کہ ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کے پکے دشمن ہوتے ہیں ۔ آپ نے دیکھا ہوگا سوتیلی ماں اپنی اولاد کی طرف سے شوہر کے دل میں ہر طرح جذبۂ محبت اور سوتیلوں کی طرف سے جذبۂ منافرت کا ایسا تخم بو دیتی ہے کہ مرد بھی اپنی بیوی کا ہمخیال ہو کر دوسری اولاد پر ظلم و ستم کا باعث بن جاتا ہے ۔ آپ کہیں گے آخر مرد آنکھوں پر پٹی کیوں باندھ لے ۔ دیکھئے وہ غریب ہر وقت گھر میں نہیں رہ سکتا اس پر اور بھی ذمہ داریاں بہت ہیں وہ نہیں دیکھ سکتا کہ آخر معاملہ کی اصلیت کیا ہے ۔ میں نے مانا کہ مرد کا فرض انصاف کرنا ہے لیکن بیوی پھر بیوی ہے ۔ اس کا کہنا نہ ماننے میں بہت سی خرابیوں کا خطرہ ہے اس کے علاوہ خاص بات یہ ہے کہ جب وہ اٹھتے بیٹھتے باتیں سنے گا تو کبھی نہ کبھی اثر ضرور لے گا ۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ صرف سوتیلی ماں کی بدولت اولاد کو باپ نے بغیر کسی جرم و خطا کے محروم الارث بھی کر دیا ۔ جس کی مثال تاریخ ہند کے صفحات آپ کے سامنے پیش کریں گے ۔ حضرت عیسیٰ سے کئی صدی پیشتر اجودھیا کے راجہ دسرتھ تھے جن کی کئی بیویاں تھیں اور ان کے بطن سے کئی لڑکے تھے سب میں بڑے رام چندر جی ولیعہد سلطنت تھے ۔ لیکن چونکہ راجہ اپنی چھوٹی رانی کیکئی سے بہت محبت کرتے تھے اور رانی کیکئی چاہتی تھی کہ تخت سلطنت کا وارث بجائے رام چندر کے میرا لڑکا بھرت ہو اسی خیال کے ماتحت راجہ دسرتھ کو ایک دن بہت مہربان دیکھ کر اپنے تین وچن (قول) پورے کرنے کا وعدہ لے ہی لیا ۔ یہی وہ ایفائے عہد تھا جس کی وجہ سے رام چندر جی کو چودہ سال کا بن باس اور بھرت کو تخت حکومت نصیب ہوا ۔ لیکن آپ رام کا اعلیٰ کیریکٹر (Character) ملاحظہ فرمایئے کہ انھوں نے باپ کے حکم پر خندہ پیشانی کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا اور جانے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ لکشمن جی جو ان کے سوتیلے بھائی تھے باوجود انتہائی اصرار کے ہمراہی کے لئے کمربستہ ہو گئے ۔ بہرحال رام چندر لکشمن اور سیتا جی تینوں وقت مقررہ پر عزیز و اقارب دوست و احباب اور ماں باپ کو خیر باد کہکر مدت مدید کے واسطے بہتے ہوئے اشکوں اور محبت بھرے دلوں کی دعاؤں کے سایہ میں رخصت ہوئے ۔ اس دن تمام رعایا میں غم منایا گیا ۔ راجہ دسرتھ

چونکہ قول ہار چکے تھے لہذا مجبور تھے سوچنے کی چیز ہے ضعیفی کے عالم میں ہونہار اور ہر دلعزیز اولاد کی جدائی برداشت سے باہر ہے ۔ مگر تاریخ نہیں بتاتی کہ رام چندر کی والدہ نے اس موقع پر اپنے لخت دل کو باپ کی نافرمانی پر اکسایا ہو۔ یا لکشمن کی ماں نے سوتیلے بھائی کے ساتھ جانے کو منع کیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ لکشمن کا یہ ایثار قابل ستائش ہے کہ عیش وعشرت اور راحت و آرام کو چھوڑ کر بھائی کے ساتھ مصائب و آلام کا سامنا کریں ۔ لیکن یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ لکشمن رام چندر کی رعایا میں ہر دلعزیزی سے واقف تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہر ردیاں رام کے ساتھ ہیں ۔ کوئی مخالفت نہیں جس کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو یا کسی سے جنگ کرنا پڑے ۔ یہ عرصہ طویل سہی لیکن اسکے بعد اگر زندگی نے وفا کی تو سلطنت رام چندر کا حصہ ہے کیوں نہ برادرانہ تعلقات کو استوار ہی رکھیں ۔ سیتا جی کے لیجانے پر جو راون سے لڑائی ہوئی وہ ایک ناگہانی حادثہ پر محمول کیا جاسکتا ہے ۔ اس جنگ میں لکشمن نے بھی ہنومان جی اور رام چندر کے دوش بدوش حصہ لیا ایک مرتبہ زخمی بھی ہوئے اور شدید طور پر ۔ لیکن یہ تنہا نہ تھے ہنومان جی کی فوج ہزاروں کی تعداد میں ان کا ساتھ دے رہی تھی ۔ عورتیں ہمراہ نہ تھیں ۔ پانی اور غذا پر کسی قسم کی بندش نہ تھی ۔ لڑائی کے وقت کوئی پابندی اور ایسی چیز پاس نہ تھی جو مانع ہو یا جنگ میں رکاوٹ کا باعث ۔

مذہبی اختلافات کے باوجود بھی انصاف پسند دل یہ ایسی قربانی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ ہم رام چندر اور لکشمن کے ساتھ ساتھ ان کی ماؤں کو بھی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔ یہ صرف ان ہی کا فیض تربیت تھا کہ دو مختلف البطن بھائیوں میں اسقدر محبت، اتفاق اور یکجہتی تھی ۔ یہ اگر چاہتیں تو آپس میں برسر پیکار ہو سکتے تھے ۔ لیکن نہیں یہ گوارا نہ کیا بلکہ ایسی تعلیم دی جس سے آنے والی نسلیں نصیحت حاصل کریں اور تاریخ تاقیامت فخر کرتی رہے ۔

میرا مقصد تقابل نہیں لیکن تاریخ عالم عرب کے ریگستان میں ایک ایسی ماں پیش کرتی ہے جو اپنی آپ ہی نظیر اور دنیا کے واسطے قابل تقلید ہستی ہے ۔ یہ معظمہ حضرت عباسؑ کی حقیقی والدہ اور حضرت امام حسینؑ کی سوتیلی ماں حضرت ام البنین ہیں ۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کی بیوی ہونے کی حیثیت سے حضرت فاطمہ زہراؑ کے برابر تھیں لیکن کبھی یہ دعوی نہ کیا ۔ آپ جانتی تھیں کہ فاطمہ رسولؐ کی بیٹی اور خاتون محشر ہے ۔ جس کے در پر فرشتے آواز دیکر آتے تھے ۔ جبرئیل جیسا مقرب بارگاہ خدا گہوارہ جنبانی اور چکی پیسنا قابل فخر سمجھتا تھا ۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے فرزند عباسؑ سے ہنس کر دریافت کیا بیٹا حسینؑ تو تمہارے بھائی ہیں پھر تم ان کو آقا اور اپنے کو غلام کیوں کہتے ہو ؟ حضرت عباسؑ نے عرض کی آپ بھی تو اپنے آپ کو فاطمہ کی لونڈی کہتی ہیں ۔ دیکھا آپ نے کیا دنیا کوئی ایسی عدیم النظیر مثال پیش کرسکتی ہے ؟ اور بھی واقعات پیش کرتا لیکن مضمون طویل ہو جانے کی وجہ سے مجبور ہوں ۔

یہ تو میں لکھ ہی چکا کہ صرف امام حسینؑ کی معیت کے واسطے حضرت علیؑ ۔ عباسؑ کو پرورش کر رہے تھے یہاں تک کہ وقت رحلت قریب آیا آپ نے اپنی تمام اولاد کا ہاتھ امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں اپنا نائب ہونے کی حیثیت سے دیا لیکن عباسؑ کو حسینؑ کے سپرد کرتے ہوئے وصیت کی بیٹا ان کا ساتھ نہ چھوڑنا ۔

لہذا علیؑ کے اس فرمانبردار اور اطاعت شعار فرزند نے مرنے کے بعد بھی ایسا ساتھ دیا کہ دعبلِ ہند جناب ذاکر لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کو کہنا پڑا

مر کے بھی بازوئے شہ ہمراہ بھائی کے رہا
ساتھ ہے تابوت کے اب تک علم عباسؑ کا

خلاصہ یہ کہ حضرت علیؑ کے بعد سازش سے امام حسنؑ زہر سے شہید کئے گئے۔ امیر معاویہ کے بعد سلطنت کے تخت سلطنت پر یزید جیسا بدکار بیٹھا اور وہ زمانہ آیا جب امام حسینؑ کو کوفیوں کی دعوت پر اپنا وطن مدینہ چھوڑنا پڑا لاکھ لاکھ سب نے منع کیا لیکن مصلحت اور نجاتِ امت اسی میں مضمر تھی آپ تیار ہوگئے۔ مخدراتِ عصمت و طہارت کو ہمراہ لیا۔ عزیزوں اور دوستوں سے رخصت ہوئے۔ زمانہ خاندان بنی ہاشم کے لئے پرآشوب تھا۔ حضرت ام البنین کربلا میں ہونے والے واقعات سن چکی تھیں۔ آپ جانتی تھیں کہ حسینؑ ضرور باغیوں کے ہاتھ سے قتل کر دیئے جائیں گے۔ ان تمام باتوں سے واقف ہونے کے باوجود عباسؑ کو ساتھ جانے کی اجازت دی اور فرمایا بیٹا حسینؑ کی خدمت میں کوتاہی نہ کرنا یہ فاطمہؑ کا لاڈلا اور محمدؐ کا نواسا ہے۔ ایسا نہ ہو قیامت کے دن رسول کی بیٹی سے سرخروئی حاصل نہ ہو سکے۔ یاد رکھنا دودھ نہ بخشوں گی۔ آیئے اس موقع پر آپ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا واقعہ یاد دلاؤں جس کی یادگار ہر سال عالم اسلام میں منائی جاتی ہے۔ آپ نے خواب دیکھا کہ اپنے صاحبزادے کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح ہوئی خدا کا یہ سچا نبی عبادت سے فارغ ہوا اور بیوی سے فرمایا اسمٰعیل کو اچھا سا لباس پہنا دو۔ حضرت اسمٰعیل کی والدۂ ماجدہ نے دریافت کیا کہیں لیجاتا ہے آپ نے کہا ایک دوست کے یہاں دعوت ہے۔ شاید آپ کہیں کہ ایک نبی نے معاذاللہ جھوٹ بولا۔ ایسا ہرگز نہیں ہر نبی معصوم اور اسکی ذات ان مادی خیالات سے پاک ہوتی ہے اسکے علاوہ دروغ مصلحت آمیز کسی مذہب و ملت میں گناہ نہیں ممکن ہے حضرت خلیل نے سوچا ہو کہ حق بات کہنے میں شاید ماں کا ماتا بھرا دل اپنے لختِ جگر اور نورِ بصر کو میرے ہمراہ بھیجنے میں مانع ہو۔ آپ جانتے تھے کہ ہر صورت تمام آلام و مصائب برداشت کر سکتی ہے مگر اولاد پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ لیکن حضرت ام البنین کی ہمت و ایثار کو ملاحظہ فرمایئے کہ رخصت کے وقت آپ نے اپنے فرزند عباسؑ سے کیا کہا اور صرف عباسؑ ہی نہیں بلکہ تمام فرزندوں کو سبط رسول الثقلین امام حسینؑ کی خدمت میں قربانی کے واسطے پیش کر دیا۔

امام حسینؑ نے سرزمین کربلا پر پہونچ کر خیمے نصب کرائے۔ وقت کروٹیں بدلتا رہا یہاں تک کہ محرم الحرام ۶۱ھ کی دسویں کو تاریخ عالم کا وہ خونچکاں واقعہ ظہور میں آیا جس پر بعد کی نسلیں محبت و عقیدت کے آنسو نچھاور کرتی رہی ہیں اور ہمیشہ نثار کرتی رہیں گی۔ حسینؑ کا لشکر ہی کتنا تھا صرف چند اصحاب وفادار اور عزیز و اقارب پر مشتمل بہتر فرد جن میں وہ کمر خمیدہ ضعیف بھی تھے جن کی بھنویں تک سفید ہو چکی تھیں۔ چند جوان اور شیرخوار بچے۔ مگر اس بہادر سے جو کفن بردوش اور سربکف ہو کر میدان میں اتر آئے لڑنا بازیچۂ اطفال نہیں بہرحال یزید کی مادی فتح اور حسینؑ مظلوم کی ظاہری شکست نے حق و باطل میں ایسا فرق پیدا کر دیا کہ ہر آزاد اور انصاف پسند

دل پر ہمیشہ کے واسطے حسینی قبضہ ہو گیا۔

اس موقع پر عباسؑ کی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ انھوں نے وہ کام کیا جو تاریخ کے اوراق پر سنہری الفاظ سے ایسا لکھا گیا کہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ عباسؑ نے بلاشبہ وہ خدمات انجام دیں جو دوسرا انجام دینے سے قاصر رہا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے بھائیوں۔ بھتیجوں اور دوستوں کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھ کر دامنِ صبر و تحمل ہاتھ سے نہ چھوڑا حکم امام کے سامنے سرِ تسلیم خم ہی کرتے رہے۔ ان واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے ہر روز نہ آپ مجالس میں سُنا کرتے ہیں۔ لیکن آئیے میں آپ کو وہ واقعہ یاد دلاؤں جو اس مضمون کے لکھنے کا سبب ہوا۔

جب حسینؑ شہید ہو چکے اور اہلبیت رسولؐ کے سروں سے چادریں تک چھین لی گئیں۔ قید کر لیا گیا شہیدانِ راہ خدا کے لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر شقیائے کوفہ و شام نے کربلا سے کوچ کیا۔ یزید کے پاس خبر پہونچی کہ رحمۃ اللعالمین اور سراج المنیر کا گھر بے چراغ گل کر دیا گیا تو اس نے ایک قاصد کو مدینۂ رسول میں خبر سنانے کے واسطے معین کیا۔ بہر حال قاصد پہونچا منادی کر دی گئی۔ جوق در جوق تمام لوگ بالخصوص بنی ہاشم مسجد نبوی میں جمع ہو گئے۔ پیغامبر منبر پر گیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ حسینؑ ابن علیؑ شہید کر دئے گئے۔ یہ سُننا تھا کہ ہر طرف سے آواز گریہ و زاری بلند ہو کر سقفِ فلک سے ٹکرانے لگی۔ لیکن ام البنین کھڑی ہو گئیں۔ نجف کی طرف رُخ کر کے فرمایا علیؑ سُنا تم نے حسینؑ غریب الوطنی میں شہید کر دئے گئے۔ اور عباسؑ زندہ ہے حشر کے دن رسولِ خدا اور فاطمہ زہرا کے سامنے کس منھ سے جاؤں گی۔ کیا میں نے عباسؑ کو اسی لئے پرورش کیا تھا؟۔ آپ کی آنکھیں غصہ سے سُرخ ہو رہی تھیں لیکن ابھی وہ لوگ زندہ تھے اور مسجد میں موجود تھے جنھوں نے علیؑ کے فضائل اپنے کانوں سے رسول کی زبانی سُنے اور بہادری کے قصے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے لڑائیاں دیکھی تھیں۔ حضرت ام البنین کو ایسی حالت میں دیکھکر پریشان ہو گئے۔ قاصد نے مؤدبانہ عرض کی معظمہ آپ تشریف رکھئے اور مطمئن رہئے کہ عباسؑ ابن علیؑ مع اپنے بھائیوں کے حسینؑ کی حمایت میں نہایت بہادری سے لڑے لیکن آخر کار وہ بھی حسینؑ سے پہلے قتل کر دئے گئے۔ یہ سُنکر آپ نے فرمایا عباسؑ میں تم سے خوش ہو گئی اور دودھ بخش دیا۔ تم نے اپنا حق ادا کیا اب روز قیامت فاطمہؑ سے محجوب نہ ہوسکوں گی۔

ہم نے نہ کسی کتاب میں پڑھا اور نہ کسی ذاکر سے سُنا کہ حضرت ام البنین کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی ٹپکا ہو بلکہ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

یہ ہے وہ اعلیٰ ترین ایثار و قربانی جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم مجبور ہے۔ اور یہ ہے وہ ماں جس نے سگے اور سوتیلے کا امتیاز مٹا کر قیامت تک آنے والی نساؤں کو دعوتِ فکر و عمل دی۔

اللہ رے اپنے صبر و تحمل پہ اعتبار
سینے میں دل تپاں ہے مگر کانپتا نہیں
(فضل)

کعبہ نہار رہا ہوں ترے در کے سامنے

(از جناب عالم الرضوی صدر انجمن پنجتنی آگرہ)

دل جھک رہا ہے روضۂ انور کے سامنے
کعبہ نہار رہا ہوں ترے در کے سامنے

دل کی بساط کیا غمِ سرور کے سامنے
آئینہ رکھ رہا ہوں سکندر کے سامنے

خود سو کے یہ نصیب رسالت جگا گئے
مشکل یہ کیا ہے نفسِ پیمبر کے سامنے

دونوں جہاں غم بھرے دل پر نثار ہیں
کونین کیا بھرے ہوئے ساغر کے سامنے

ارمان دل سمجھ کے گلے سے لگا لیا
تیرِ سہ شعبہ آیا جو اصغر کے سامنے

اک رخ پہ آفتاب بھی قائم نہ رہ سکا
شبیرؑ تیرے روئے منور کے سامنے

قاسمؑ کے آگے آیا جو ازرق پکاری موت
کانٹا کھٹک رہا ہے گلِ تر کے سامنے

تیری لحد نہیں مرے دل کا مزار ہے
ماں کہہ رہی ہے تربتِ اصغرؑ کے سامنے

اسلام والو! شیوۂ اسلام ہے یہی
بیعت کا ذکر جانِ پیمبرؐ کے سامنے

عالم انیسؔ و آتشؔ پہ لاکھوں سلام ہوں
ذرّہ کی کیا چمک مہ و اختر کے سامنے

علمدار

(از جناب مضطر حیدری)

عباسؑ علمدار شہنشاہ مدینہ — شیروں کو ترے خوف سے آتا ہے پسینہ
اے وہ کہ ترے نام سے ہے شانِ وفا کی — تو خاتمِ دل پر ہے محبت کا نگینہ
شبیرؑ کو آقا ہی کہا تو نے ہمیشہ — چھوڑا دمِ آخر بھی وفا کا نہ قرینہ
اک تجھ سے ہی کیا تھی ترے قاتل کو عداوت — ایماں پہ پرخاش تھی اسلام سے کینہ
اسلام کی تعمیر کی تکمیل نہ ہوتی — ہوتا جو نہ شامل ترا خون اور پسینہ
اے نہر پہ سوئے ہوئے جرار مجاہد — گرداب میں ہے آلِ پیمبر کا سفینہ
اے شیرِ مدینہ کے تو میداں میں کدھر ہے — بے یار و مددگار ہے آقائے مدینہ
پیاسوں کی ذرا بہرِ خدا پیاس بجھا دے — مشک اور علم لائی ہے معصومہ سکینہؑ
ایثار یہ پیاسوں کے لئے کرنے گیا ہے — جب مشک پہ تیر آیا سپر کر دیا سینہ
شانے بھی کٹے سر بھی ہے نیزے کی انی پر — طے کر لیا معراج کا یہ آخری زینہ
زنداں میں بلاتی ہے تجھے دخترِ شبیرؑ — جب گھرکیاں دیتا ہے اسے شمرِ کمینہ

اے ناصرِ اسلام یہ اسلام کے دشمن
مضطرؔ سے چھڑا کر ہی رہے مسکن چھینہ[1]

[1] مصنف نے اعدائے دین کی ایذارسانیوں سے تنگ آکر اپنا وطن (چھینہ) ترک کر دیا اور آغاز ۱۹۴۳ء میں بمقام نوتاک مستقل سکونت اختیار کی۔

نقد و تبصرہ

دو تبلیغی مرثیے

(حسینی شاعر فضل کے قلم سے)

ناظرین نظارہ کو یاد ہوگا کہ ابھی حال ہی میں ہم نے "مرثیہ غیر معصوم" کہے جانے کے سلسلے میں کتنے مضامین لکھے اور کتنی زحمتیں برداشت کیں بعض لوگوں کو اپنے سے ناراض بھی کرلیا اور چند ایسے تھے جنھوں نے اس بحث سے متاثر ہوکر ذاتیات کی تاریکیوں میں نظارہ کی خریداری تک چھوڑدی۔

مگر سچی بات تو یہ ہے کہ سچ کہنے میں، حق کا ساتھ دینے میں اور حسینؑ ابن علیؑ کی محبت میں اگر نظارہ اپنے ایڈیٹر سمیت کام میں آجائے جب بھی ہمیں کوئی پروا نہیں، ہم ہر قربانی اور ہر خدمت کے لئے تیار ہیں، لیکن اگر ہم یہ دیکھ لیں گے کہ فلاں راستہ حسین ابن علیؑ کے راستے سے علیحدہ ہے تو ہم نہ خود اس پر چلیں گے اور نہ اپنے احباب کو گامزن ہونے دیں گے۔ مختصر یہ کہ ہم ایسے مرثیوں کی دل سے قدر کرتے ہیں جو حسین ابن علیؑ یا ان کے اعزا و اصحاب سے مخصوص ہوں جیسا کہ ہوتا آیا ہے۔ اور وہ مرثیہ ہی نہیں جو حضرات اور ان کے اعزا و اصحاب یا متعلقین اور معصومین سے مخصوص نہ ہو۔ جناب موجد سرسوی، ہماری قوم کے ممتاز شعرا میں سے ایک ہیں، آپ نے بھی ہمارے ہی طرح مدح اہلبیتؑ کے لئے اپنے کو مخصوص کرلیا ہے، اور سب سے اعلیٰ خیال یہ ہے کہ آپ کے مرثیے ایک جانب تو رنگ تبلیغ میں غرق ہوتے ہیں، دوسری طرف اصلاحی ہوتے ہیں اور آخر میں مآل مجلس، یا "مقصد مرثیہ" کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یعنی پڑھنے والا بھی روئے اور سننے والے کی آنکھ کا آنسو بھی نہ ٹھہرنے پائے۔

شیعہ شاعروں کی خصوصیات میں فصاحت دیدی گئی ہے صرف یہی نہیں بلکہ اردو ادب جیسے کہ حسینی شاعروں کے مخصوص ہے، اور یہ خیال تنگ نظری پر نہیں بلکہ واقعہ ہے، آج جتنے اردو کے شاعر زبان، اور فصاحت کے لحاظ سے دنیا میں مشہور ہیں وہ سب نوے ۹۰ فیصدی شیعہ ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔ اور مشاہدات سے دنیا انکار نہیں کرسکتی یہی وہ اہم خیال تھا جس کو ختم کرنے کے لئے ہمارے دوست نیاز صاحب فتحپوری کو آج سے بارہ ۱۲ چودہ ۱۴ سال پہلے اسکی ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ آتش وغیرہ کو غیر شیعہ انکے کلام ہی سے ثابت کردیا جائے تاکہ شیعہ قوم کو اردو شعرا کے سلسلے میں جو فخر ہے وہ ختم ہوجائے۔ مگر قدرت کی پیداوار پر تو قبضہ مولوی نہیں، بفرض محال اگر مرحوم شعرا کو اپنے زمرہ میں شامل کر بھی لیا جائے جب بھی زندوں کو کیسے اپنایا جاسکتا ہے؟ ہماری قوم کے ہر شاعر کے خصوصیات میں زبان اور اس کی فصاحت لازم و ملزوم ہوتی ہے۔ جناب موجد سرسوی بھی حسینی شاعر ہیں، آپ کی زبان بھی دو کوثر میں ڈوبی ہوئی ہے، آپ کے تبلیغی مرثیوں کا سلسلہ جاری ہے جن کے ذریعے آپ ایک اہم قومی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ہمارے سامنے اس وقت آپ کے دو تبلیغی مرثیے موجود ہیں - ایک حضرت علی اکبر کا اٹھارواں سال - اور دوسرا "سفینۃ النجات" ہے ہم نے دونوں مرثیوں کو اگرچہ بعض بعض مقامات سے پڑھ تو لیا ہے لیکن تبصرہ وہی ہوتا ہے جو پڑھنے کے بعد کیا جا سکے۔ ابوالفضل العباس نمبر کی اشاعت کے سلسلے میں ہماری مصروفیت چھپی ہوئی چیز نہیں ہوتی، اور واقعی ہم بالکل مجبور ہوتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ ہم کوشش کے باوجود بھی خود کوئی مضمون اس نمبر کے لئے نہ لکھ سکے۔ چنانچہ ان مرثیوں پر واقعی تبصرہ تو آئندہ کیا جا سکے گا - لیکن صرف اتنا کہ یہ دونوں تبلیغی مرثیے محرم کے سلسلے میں مومنین کو طلب فرما کر مجلسوں میں ضرور پڑھنا چاہئے - اس پر علمائے کرام اور حضرات واعظین کی تقاریظ بھی ہیں - یہ دونوں مرثیے احادیث اور قرآن مجید کی آیتوں پر نظر رکھ کر کہے گئے ہیں، سفینۃ النجات کی قیمت ۱۲؍ اور دوسرے تبلیغی مرثیے کی قیمت (جس کا نام "حضرت علی اکبرؑ کا اٹھارواں سال ہے") ۸؍ علاوہ محصول ہے - جو حسب ذیل پتہ سے منگائے جا سکتے ہیں :-

علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ
۳۷۳ ابراہیم رحمۃ اللہ روڈ بمبئی ۳

البلاغ المبین :- نوشتہ جناب آغا محمد سلطان صاحب (ریٹائرڈ) ڈسٹرکٹ و سشن جج بالقابہ - آغا سلطان مرزا صاحب کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے آپ ہماری قوم کی ان بزرگ اور ممتاز ہستیوں میں سے ہیں جن کا وجود قوم اور ہر فرد قوم کے لئے باعث فخر کہا جا سکتا ہے - آپ نے دینی اور قومی خدمات کا جو عظیم بالشان سلسلہ شروع کیا ہے اس سلک کا سب سے زیادہ قیمتی اور آبدار موتی "البلاغ المبین" ہے، جو اسلامی سیاست اور مذہبی و معاشرتی اور تاریخی چیزوں کا مجموعہ ہے، افسوس ہے کہ قلیل وقت میں ہم اس کتاب پر ناچیز رائے کا اظہار نہیں کر سکتے - انشاء اللہ "ابوالفضل العباس نمبر" کی اشاعت کے بعد اس فرض کو ادا کیا جا سکے گا - کیونکہ آجکل جب پڑھنے ہی کا وقت نہیں ہے تو لکھنے کا وقت کیسے نکل سکتا ہے - "البلاغ المبین" ۴۴۹ صفحات کی ضخیم کتاب ہے، قیمت ۲ روپئے، اور نمبر ۲ حصہ ۸؍ ہے جو نظامی پریس لکھنؤ سے منگائی جا سکتی ہے -

اس شان سے دریا سے حیدر کا پسر نکلا | جس طرح کہ بادل سے بل کھاتا قمر نکلا
دریائے شجاعت کا نایاب گہر نکلا | پانی لئے دریا سے اور خون میں تر نکلا

حیدر کی صدا آئی یہ شبیر ہمارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے حیدر کا دلارا ہے

لو گر پڑے گھوڑے سے عباسؑ لب دریا | اک زخم رسیدہ پہ سب ٹوٹ پڑے اعدا
ہاتھوں سے کمر تھامے روتے ہیں شہ والا | اے فخر سکینہؑ کا مجروح ہوا سقا

اب بہر مدد شہ کو غازی نے پکارا ہے
شبیرؑ کا پیارا ہے، حیدر کا دلارا ہے

"سپہ سالارِ حسینیؑ"

"عباسؑ ابن علیؑ"

—— (از جناب عباس علی صاحب وفا ملک پوری) ——

لشکر کا علمدار پسر حق کے ولی کا | جو قوت بازو تھا حسینؑ ابن علیؑ کا
جو قلبِ وفا روحِ وفا جانِ وفا تھا | جو نیرِ دیں شمعِ شبستان رضا تھا
عابد بھی مجاہد بھی، بہادر بھی سخی بھی | غازی بھی نمازی بھی دلاور بھی سخی بھی
ہاشم کا قمر "فوج حسینی" کا ستارا | شبیرؑ کی ڈھارس تو سکینہؑ کا سہارا

دریا کی ترائی جو بہت شبیرؑ کو بھائی!
نیند آگئی اور سو گیا شبیرؑ کا بھائی!

"ہمارا زاویہ نگاہ"

(از جناب بیباک ماہلی مدظلہ)

کیا ہمیں واقعہ کربلا کی تفاصیل کا کامل احساس ہے نہیں؟ اس لئے کہ احساس اسی چیز کا ہو سکتا ہے جس کا ادراک ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ حقیقتاً اس معاملہ میں میری وہی حالت ہے جو کسی کور مادر زاد کی رنگ کے احساس میں ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ میرے اس خیال سے حسینی سوگ منانے والے حسین علیہ السلام کی صف ماتم بچھانے والے متفق نہ ہوں۔ انھیں گراں گزرے اور وہ کہہ اٹھیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے مجالس حسینؑ میں گریہ و بکا کرنے کے بعد اور حسین علیہ السلام کی یاد کے تازہ رکھنے کے بعد بھی دنیا یہ الزام رکھتی ہے حالانکہ انسانی زندگی کی بقا کا دار و مدار خوشی پر ہے۔ افکار و آلام سے دوری پر ہے۔ پریشانیوں اور کلفتوں سے آزاد رہنے پر ہے۔ لیکن ہم نے اپنی زندگی کو غم حسین کی آماجگاہ بنا لیا ہے۔ ان کے رنج و الم سے ممزوج کر لیا ہے اور اپنے ہر خوشی کے مواقع پر بھی مجلس غم منعقد کرتے و شہادت حسینؑ کو سنکر آنسو بہاتے ہیں، پھر نہیں معلوم کس رخ سے عنوان سے پہلو سے دنیا یہ کہتی ہے کہ ہمیں واقعہ کربلا کی تفاصیل کا کامل احساس نہیں ہے۔

جہاں پہونچ کر میں یہ عرض کروں گا کہ یہ صرف اثر ہے شہادت جناب حسینؑ مظلوم کا جو "دین حق ہے" اور دین حق فرح سرور و شادمانی کی چیز ہے نہ کہ غم و رنج کی۔ اس لئے یہاں نفس غم سے دوری نہیں چاہتا بلکہ غم کی خواہش کرتا ہے اور وہ غم لذت بخش حیات ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ واقعہ کربلا کی تفاصیل کا کامل احساس تو صحیح معنوں میں حُر ابن ریاحی کو تھا۔ حبیب ابن مظاہر کو تھا۔ مسلم ابن عوسجہ کو تھا۔ زہیر ابن قین کو تھا۔ وہب کو تھا۔ عون محمدؑ کو تھا۔ قاسم بن حسنؑ کو تھا۔ عباسؑ کو تھا۔ علی اکبرؑ کو تھا کہ ایک شوہر کی زندگی شکل ہوگئی۔

اور کیا بتاؤں آہ! آہ!! جناب زینب علیا مقام و جناب ام کلثوم و سید سجادؑ کو تھا کہ بہن تا زندگی سایہ میں نہ بیٹھی۔ اور بیٹے کے سامنے جب بعد واپسی مدینہ لوگ آتے اور عرض کرتے کہ مولا مدت ہوئی کہ ہمارے غریب خانوں کی زینت قدوم میمنت لزوم سے نہ ہوئی تو آپ رو کر ارشاد فرماتے کہ میرے پدر بزرگوار کی مجلس غم برپا کرو۔ میں آؤں گا۔ اب میرے لئے تقریبات شادی شرکت کے قابل نہیں رہیں۔ اللہ اکبر۔

پھر ان کے پیرو ان کا صرف سالانہ سوگ منا لینا یا حسینؑ کی مجلس غم میں چند قطرات آنسوؤں کے بہا لینا کامل احساس نہیں کہا جا سکتا۔

رہا یہ سوال کو پھر ہم کیا کریں جو معلوم ہو۔ محسوس ہو کہ ہمیں واقعہ کربلا کی تفاصیل کا کامل احساس ہے اس کا صحیح جواب (کھلا ہوا جواب) یہ ہے کہ آپ ان فدا کاران روحی لہ الفدا کے جنھوں نے ادراک کے بعد احساس کامل حاصل کیا اور خوشی خوشی جام شہادت پی لیا انکی شہادت کے مٹنے والے نقوش کا حقیقی تصور اپنے دل و دماغ میں قائم کیجئے۔ اور ان ذوات مقدسہ کے عملی کارناموں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیے جنھوں نے شہادت مظلوم کربلا کے بعد تاراجی خیام کے بعد حسینی مقصد کی تکمیل میں ان تمام صعوبتوں مصیبتوں و تکلیفوں کا مقابلہ کیا جو انھیں تمام زندگی میں پیش آئیں جس میں صرف راہ کوفہ وشام کی تخصیص نہیں ہے جو صرف زندان شام تک محدود نہیں ہیں جو فقط دربار یزید و ابن زیاد سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ آنے والی زندگی کے ہر قدم پر ایک روح فرسا داستان بن کر آئیں اور ہر سانس میں دم واپسیں کا منظر پیش کرتی رہیں۔ اللہ اکبر۔

کیا آپ کو یاد نہیں کہ قیدخانہ شام میں ایک روز جناب سید سجاد علیہ السلام نے اپنی پھوپھی جناب زینب سلام اللہ علیہا کو بیٹھکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے استفسار فرمایا معظمہ نے جواب دیا کہ بیٹا! آج کئی روز سے ہم سبھوں کی خوراک میں جو جو کی خشک روٹیاں آتی ہیں وہ مقدار میں اتنی کم آتی ہیں کہ تقسیم کے بعد مجھے فاقہ سے رہنا پڑتا ہے۔ لہذا اب نقاہت نے مجھے بیٹھکر نماز پڑھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

کیا آپ اس واقعہ کو بھول گئے جب بازار شام میں ام حبیبہ نے جناب سکینہ کی بھوک، پیاس پر رحم کھا کر کچھ کھانا منگایا اور یہ کہہ کر جناب سکینہ کو دیا کہ بیٹی! لو مگر کھانے سے پہلے میرے لئے یہ دعا کرو کہ خداوند عالم میرے بچوں پر ایسی مصیبت کبھی نہ ڈالے کیونکہ بچوں کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اللہ! اللہ! آل طہٰ و یٰسین کی ظالم مسلمانوں نے یہ حالت کر دی تھی۔

پس غور فرمائیے کہ یہ سب کچھ حسینؑ نے جان نثاران حسین و شرکاء کار حسینؑ نے خواہ اس میں مرد ہوں یا عورتیں۔ بچے ہوں یا بوڑھے گوارا کر لیا کس لئے؟ اسی لئے کہ دین اسلام بچ جائے۔ حق ظاہر ہو جائے باطل مٹ جائے دنیا صحیح راستہ پر چلنے لگے وہ یزیدیت کے دھوکہ میں نہ آئے۔ حقیقی وغیر حقیقی مسلمانوں کو پہچان لے۔ اسے معلوم ہو جائے کہ یزیدیت کے نام پر دھوکا دیا جا سکتا ہے اور حقیقت کو یزیدیت کے پردہ میں چھپایا جا سکتا ہے جس کی تکمیل بعد واقعہ کربلا آپ کے اس بیمار و لاغر امام نے جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور ان بے والی و وارث عورتوں نے جن کی چادریں چھین لی گئی تھیں جن کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا جو اسیر کر لی گئی تھیں جان لڑا دی اور علوی فصاحت سے مقصد شہادت کی توضیح کر دی تاکہ راز شہادت و شہادت مخفی نہ کی جا سکے اور نہ کسی دوسرے رنگ میں رنگی جا سکے اور آج جبکہ مختلف طریقوں سے عنوانوں سے حیلوں سے اسی راز شہادت و شہادت کو دوسرے رنگ میں رنگنے کی تدبیریں ہوتی ہیں ترکیبیں کی جاتی ہیں تو ہم

اسے اپنے دامنوں سے علی الاعلان نہ سہی خفیہ ہوا دیتے ہیں اور اگر ہوا نہیں دیتے تو کم از کم دبی زبان سے کہیں ہاں کہہ دیتے ہیں، اور کہیں خاموش ہو جاتے ہیں مثلاً کہیں کہہ دیا کہ ہم مجلسی آدمی نہیں ہیں۔ کسی جگہ بول اٹھے کہ عزاداری حسین مظلوم میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے کہیں یہ سنکر چپ ہو گئے کہ فلاں مقام پر عزاداری کے روکنے کا یہ انتظام کیا گیا ہے، فلاں جگہ شیعوں پر یہ ظلم ہوا ہے یہ بھی نہ پوچھا کہ کیوں؟ کیا بات ہے؟ یا مراسم عزا و تبرکات عزائے حسینؑ مظلوم کے متعلق کچھ کہہ ڈالا۔ نوحہ و مرثیہ میں جدت پیدا کر لی اور ماں، باپ، بھائی، بہن، عزیز اقارب و مجتہد و عالم کا مرثیہ کہہ کر حسین علیہ السلام کے مدمقابل رکھدیا نذر و نیاز پر جا و بیجا اعتراض کر بیٹھے۔ تعزیہ و علم کے احترام کے متعلق کچھ کہہ گئے۔ یہ نہ سوچا کہ جب قربانی کے جانور کے گلے کی رسی محترم ہو گئی۔ اصحاب کہف کے کتے کی عزت بڑھ گئی [illegible] کی عظمت اونچی ہو گئی۔ سنگ اسود کو بوسہ دیا جانے لگا اور یہ سب معزز و محترم قابل تعظیم و تکریم نام سے منسوب ہونے کا نتیجہ ہے تو حسین علیہ السلام کے نام میں کونسی احترامی کمی ہے جو ہم ان چیزوں کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنے و سننے کے عادی ہو رہے ہیں۔

کیا ہمارا اس قسم کی باتوں کو سنکر چپ ہو جانا یا اس میں از خود جدت پیدا کرنا۔ حاشیہ چڑھانا اور کسی با فہم کے بتلانے و سمجھانے کے بعد بھی اس حقیقت کی طرف رخ نہ کرنا حسین علیہ السلام کی حقیقی معرفت کی گواہی کا شاہد ہو سکتا ہے حد تو یہ ہو گئی ہے کہ اب ایسے بھی لوگ نظر آنے لگے جو اپنے ہاتھ میں محرم نمبروں کو کون کہے کسی شیعہ اخبار یا پرچہ کا لینا مکروہ جانتے ہیں اور اگر کسی اڈیٹر نے بے طلب بھیج دیا تو مستحق تعزیری کے خیال سے میز پر گناہ سمجھتے ہیں۔ ہاتھ میں لینا جرم تصور کرتے ہیں۔ انھیں خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں دنیا محب حسینؑ نہ تصور کر لے۔ شیعہ نہ سمجھنے لگے، جس سے دوست دشمن کی پہچان ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ واقعہ کربلا کی تفاصیل کا کامل احساس نہیں ہے۔

میں مانتا ہوں کہ ترقی کا زمانہ ہے اور تحقیق و تجدید کی جنس گراں بہا اپنی گرم بازاری کا عالم دکھا رہی ہے، ہر شخص کی زبان اس کے مذاق تجدید و تحقیق کے مطابق حرکت کر رہی ہے مگر اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ہم ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں ہمارے معتقدات کو دھکا پہونچتا رہے اور جن عقائد کو دین اسلام کے محافظ حسینؑ نے پھیلایا ہے۔ جس مشن کو اسیران آل طٰہٰ و یٰسین نے دردر بے مقنعہ و چادر پھر کر واضح کیا اکی تردید و بیخ کنی دشمنان رسول و آل رسول کی طرف سے ہوتی رہے اور متمسکان دامن اہلبیت واقعہ کربلا کے بعد بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں سوال و جواب کے موقع پر چپ ہو جائیں تدبیر و ترکیب سے غفلت برتیں ایسے وقت میں تو ضرورت تھی کہ انھیں بادہ تحقیق تجدید کے سرمستان جدید میں سے کچھ ایسے اصحاب بھی کھڑے ہو جاتے جو مقصد شہادت کو اپنی تحقیق و تجدید کی روشنی میں اسباب و علل کے ساتھ اس انداز سے دہرا دیتے کہ سننے والوں کو ہوش ہو جاتا اور وہ سمجھ جاتے کہ جو کچھ ہمیں بتایا گیا ہے یا بتایا جا رہا ہے ایک دھوکا ہے۔ جیسا کہ بعد شہادت حسین مظلومؑ اسیران کربلا نے

اظہار واقعات سے ظاہر کیا اور کربلا سے کوفہ و کوفہ سے شام تک کے تمام لوگوں نے جان لیا کہ یزید کی یہ جنگ معاذ اللہ ایک خارجی سے نہیں تھی بلکہ حسینؑ نواسہ رسولؐ سے تھی اور مدینہ کی واپسی تک تو یزید کو خود اس بات کا احساس ہو گیا کہ مجھے دیکھ کر دنیائے اسلام کی آنکھوں میں خون اترنے لگا ہے قاتلان حسینؑ کو معلوم ہو گیا کہ خون حسینؑ کے انتقام میں بہت سی تلواریں ان کے خلاف کھنچی ہوئی ہیں تا اینکہ یزید کی سلطنت بہت جلد خاک میں مل گئی۔ اس کے آفتاب اقبال کو گہن لگ گیا۔ اس کا ضلالت آگیں مشن انتہائی ذلیل ہو کر دنیا کی نظروں سے روپوش ہو گیا اور خون حسینؑ عروس اسلام کے چہرہ کا غازہ بن گیا جس سے اس مردنی چھایا ہوا چہرہ مرجھایا ہوا بشرہ نکھر اٹھا اور اس میں از سر نو چمک دمک و قوت آ گئی۔ مسلمان جاگ اٹھے غفلت شعاروں نے کروٹ بدلی حق سے ہٹ جانے والی طبیعتیں اپنی جگہ پر آ گئیں۔ شہادت کا منشا پورا ہو گیا۔ بس آپ نہ گھبرائیے، نہ جھجکئے۔ نہ ہچکئے بلکہ حسینؑ پر ایک نظر ڈالئے اور یہ دیکھ کر کہ وہ کوہ استقلال بنے ہوئے میدان میں کھڑے ہیں۔ اقلیم صبر و رضا کا تاج ان کے زیب سر ہے۔ شکیبائی نثار ہو رہی ہے ہمت و جرأت صدقہ ہو رہی ہے۔ ایمان فتح کا نقارہ بجا رہا ہے اپنے دل میں استقلال و ہمت پیدا کیجئے اور حسین علیہ السلام کی اس معنی خیز تمنا کا خواہش کا جواب عملاً دیجئے کہ لیتم فی یوم عاشورا جمیعاً تنظرونی کیف استسقی لطفلی فلم یرحمونی۔

اے میرے شیعو، تم سب کے سب اس وقت موجود ہوتے دیکھ لیتے کہ میں نے اپنے بچے کے لئے کیونکر پانی مانگا اور ان لوگوں نے رحم کھانے سے کیونکر انکار کر دیا یا جب بھی ٹھنڈا پانی پینا میری پیاس کو یاد کر لینا۔

یاد رہے کہ یہ تمنا مولاؑ نے آپ سے حضرت علی اکبرؑ کے مجاہدے کے وقت نہیں کی جناب عباسؑ کے کارزار کے وقت نہیں کی جناب قاسمؑ دعونؑ و محمدؑ کی وغا کے وقت نہیں کی اور نہ آپ کے یہ حسرت بھرے کلمات آپ کی زبان سے اس وقت نکلے جبکہ آپ خود بہ نفس نفیس معروف پیکار تھے یا شمر ملعون جب آپ کے سینہ اقدس پر تھا۔ اللہ اکبر اسی لئے نہ کہ اگر میرے شیعہ سب کچھ بھول جائیں گے تو بھی جب ان کی گودوں میں ان کے چھوٹے چھوٹے بھولے بھالے معصوم ننھے بچے آ جائیں گے تو میرے اوپر جو یہ ظلم ہو رہا ہے یاد آ جائے گا اور وہ دنیا سے اس ظلم کے فنا کرنے کا ارادہ کر لیں گے۔ لہذا خدا کے واسطے آپ حسینؑ کے اسوقت کو کبھی نہ بھولئے مقصد حسینی کی تکمیل میں دامے درمے قدمے سخنے جان لڑاتے رہیئے حق آپ واضح ہوتا رہے گا۔

علمدار باوفا

مرثیہ کے چند بند

(از جناب ڈاکٹر سید منظور مہدی صاحب منظور خلف الصدق مداح اہلبیت جناب سید اولاد حسین صاحب سجاد مرحوم بلاسپوری یو پی)

عباسؑ ہیں شاہنشہ اورنگِ شجاعت — اکلیلِ وفا فرق مبارک کی ہے زینت
جاہ و حشم و شاہ و ظفر اور جلالت — اقبال کی سرداری میں ہیں انکی رعیت

اس شاہ کے اوصاف زمانہ پہ جلی ہیں
یہ شانِ خدا شانِ نبیؐ شانِ علیؑ ہیں

ایمان کی یہ جان ہیں اور حق کے طلبگار — اوصاف کا مجموعہ ہیں عباسؑ علمدار
یہ بحرِ حقیقت کے ہیں اک گوہرِ شہوار — بابا کی طرح شیر و جری قاتلِ کفار

حق کے لئے عباسؑ کے شانے جو کٹے ہیں
خالق سے انھیں دو پرِ پرواز ملے ہیں

لاریب زمانہ میں یہ تصویرِ علیؑ ہیں — ضو چہرے کی کہتی ہے کہ تنویرِ علیؑ ہیں
اخلاق یہ کہتا ہے کہ شبیرِ علیؑ ہیں — آئے جو جلال ان کو تو شمشیرِ علیؑ ہیں

ذی فہم ہیں، ذیقدر ہیں، ذیجاہ ہیں واللہ
عباسؑ علیؑ دست یداللہ ہیں واللہ

اللہ نے آدمؑ کو دیا شیثؑ سا ناصر — اور خلق کیا سامؑ کو بھی نوحؑ کی خاطر

آصف تھے سلیمانؑ پیمبرؐ کے معاشر　　موسیٰؑ کی مدد کیلئے ہارونؑ تھے حاضر
نصرت میں محمدؐ کی علیؑ شام و سحر تھے
عباسؑ بھی لختِ دلِ حیدرؑ کی سپر تھے

ان کو یہ علم دین کے رہبر نے دیا ہے　　لختِ جگر حیدرؑ صفدر نے دیا ہے
سردارِ عرب افسرِ لشکر نے دیا ہے　　شبیرؑ کے ہاتھوں سے پیمبرؐ نے دیا ہے
جبتک مہ و خورشید کا یہ دَور چلے گا
ملّت کا علم انکے ہی ہاتھوں میں رہے گا

غازی کی علمداری ہی اسلام کا جوہر　　انکے تھا پسِ پشت خداوند کا لشکر
ہونے کو علمدار ہوئے اور بھی اکثر　　پر انکے مراتب کا ہوا کوئی نہ ہمسر
یہ فخر ہے کونین میں عباسؑ علیؑ کو
سقّہ بھی علمدار بھی کہتے ہیں جری کو

عباسؑ کے قبضہ میں جو ہے مشکِ سکینہؑ　　بچّوں کی اُمیدوں کا ہے چھوٹا سا سفینہ
اب اس میں بھرا جائیگا کوثر کا سفینہ　　یا حضرتِ عباسؑ کی اُلفت کا خزینہ
اس مشک میں پانی جو علمدار بھرینگے
اُمت کے گنہگاروں کو سیراب کرینگے

دربار یزید کے دو منظر

قبل شہادت حسینؑ

(جناب میر تجمل حسین صاحب از میسور)

معاویہ کے فوت ہوتے ہی یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور ہر ایک مسلمان سے جبراً بیعت لینے لگا بہت سے مسلمان اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگے اور یزید جیسے فاسق و شرابی کے ہاتھوں پر بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

یزید کے لئے حسینؑ سے بیعت طلب کرنا اپنی استبدادی طاقت کو باقی رکھنے اور صدائے حق کو دبانے کے لئے صرف ضروری ہی نہیں بلکہ ایک حد تک اس کی "کفر آلود" زندگی و موت کا انحصار اسی پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے حاکم مدینہ مروان کو معزول کر کے اس کی جگہ اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ کو ۔ ۔ ۔ ۔ مقرر کیا اور فوری حکم لگایا کہ حسینؑ سے بیعت لو ورنہ قتل کر دو۔

دربار یزید اس کے ہوا خواہوں سے بھرا ہوا ہے جن میں کثرت ان لوگوں کی ہے جو اپنے آپ کو حافظ قران حافظ اسلام سمجھے ہوئے ہیں جن کی لمبی لمبی ڈاڑھیاں ہیں اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو صاحب رسولؐ بتلاتے ہوئے من مانی اور وقتی "حدیثیں" کہہ کہہ کر بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمانوں کو متزلزل کر رہے ہیں۔ یزید دربار میں داخل ہوتا ہے، سب لوگ تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یزید کے بیٹھنے کے بعد اشارہ پاتے ہی پھر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ دربار میں وہ فرمان پڑھکر سُنایا جاتا ہے جو یزید نے اپنے ابن عم ولید بن عتبہ کو بیعت حسینؑ کے سلسلے میں بھیجا ہے۔ سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔ ایک ہوا خواہ دست بستہ کھڑا ہو کر کہتا ہے۔

"یا امیر! مجھے تو اس کی اُمید نہیں کہ حسینؑ آپ کی بیعت پر راضی ہوں"۔

"حسینؑ" اونہہ" حسینؑ کی طاقت (معاذاللہ) ہی کیا ہے، جو میرا مقابلہ کر سکیں۔ یزید سر دربار شراب کے پیالے کو ہاتھوں میں نچاتے ہوئے کہتا ہے۔

"حسین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر وہ ہاشمی ہیں تو میں بھی اموی ہوں، اگر وہ محمدؐ کے نواسے اور علیؑ کے بیٹے ہیں تو میں بھی ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بیٹا ہوں، اگر وہ جگر گوشۂ بتول ہیں تو میں بھی اس کا لخت جگر ہوں جس نے ان کے

(حسینؑ کے) دادا حمزہ کا کلیجہ دانتوں سے چبا ڈالا تھا۔"

یزید نے اتنا کہنے کے بعد خاموش ہوگیا اور اپنا غم و غصہ فرو کرنے کے لئے شراب کا پیالہ خالی کرنے لگا۔ سارے دربار میں ایک سناٹا چھا گیا۔ وہی مسلمان جو رسولؐ کے کلمہ گو، اسلام کے حامی اور شریعت کے ٹھیکیدار تھے اپنے امیر کے ہاتھوں میں شراب کا بھرا پیالہ دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہی شریعت کی محافظت کا دعویٰ بھی کر رہے تھے ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے رسول مقبولؐ کی زبان مبارک سے اہل بیت کو قرآن ناطق کہتے ہوئے سنا تھا ان میں اکثر ایسے بھی تھے جن کے کانوں میں رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد "حسینؑ منی و انا من الحسینؑ" گونج رہا تھا۔ پھر بھی دنیاوی لالچ ان کی آنکھوں پر پردے ڈال رہی تھی۔ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی ایک ایسے فاجر و فاسق کی متابعت کرنے میں سبقت کر رہے تھے جس کے پاس اسلام اور اسکے احکام ہو نچے ہی نہیں۔

یزید کا جوش ہنوز باقی تھا کہ دوسرا شخص اٹھا اور اور کہنے لگا۔ آپ کے ارادہ میں کامیابی ہو میرا خیال ہے کہ حسینؑ آپ کی بیعت پر اپنے قتل و تباہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ انھیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ وہ ہی قرآن ناطق ہیں۔

"کیا کہا؟ ...... یزید گرج کر کہنے لگا...... قرآن ناطق؟ تو کیا حسینؑ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میرے باپ دادا نے ان کے بزرگوں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کیا تھا اور کیا سلوک کیا تھا؟ ..... قسم ہے مجھے اپنے دادا کی اگر جنگ صفین میں قرآن صامت نوک نیزہ پر بلند کیا گیا تو میں قرآن ناطق کے جگر پاروں کو نوک نیزہ پر چڑھا کر عالم اسلام میں ان کی تشہیر کراؤں گا......

اس کے بعد یزید نے یہ حکم لگایا کہ ہر ایک مسلمان سے جبراً بیعت لی جائے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی سارے عراق میں ایک اضطراب دوڑ گیا اور کوفیوں و عراقیوں نے متفق ہو کر امام حسینؑ کو فی الفور بلا بھیجا اور اس سلسلے میں صدہا خطوط اور قاصد آپ کی خدمت میں بھیجے گئے۔

ایک طرف یزید کی جانب سے طلب بیعت تھی دوسری طرف کوفیوں اور عراقیوں کی جانب سے عریضوں اور قاصدوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ امامؑ عالی مقام عجب شش و پنج میں تھے۔ یزید جیسے بدکار اور شرابی کے ہاتھوں پر بیعت؟ -- توبہ توبہ۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے لیکن حسینؑ کے پاس یزید کی بیعت کا خیال کرنا بھی حرام تھا۔

پھر عراق کا سفر؟ یہ بھی خالی از خطرہ نہ تھا لیکن حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ اپنے نانا کے لگائے ہوئے چمن پر خزاں آیا ہی چاہتی ہے اور خوف تھا کہ تھوڑی بہت تاخیر بھی اس کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دے گی اور اس خزاں کو دور کرنے کے لئے بہت بڑی قربانی کی ضرورت تھی اور اس چمن کو از سر نو تازہ کرنے کے لئے حسینؑ کو اپنے اور اپنے اعزہ کے خون کو بہانا تھا۔ حسینؑ نے دیکھا کہ صرف عالم اسلام ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت خطرہ میں ہے۔ حسینؑ نے وقت کی نزاکت کا احساس کیا اور انسانیت کی لاج رکھنے کے لئے اپنی اور اپنے اعزہ کی جانوں کو تلوار کی دھار پر رکھ کر اس سفر کا عزم کیا جس سے تاریخ عالم میں ایک نئے اور عظیم الشان باب کا اضافہ ہونے والا تھا۔

حسینؑ جانتے تھے کہ اس سفر کا آخری انجام کیا ہوگا اور اگر وہ چاہتے تو بآسانی اپنا اور اپنے اعزہ کی جانوں کو بچا سکتے تھے۔ لیکن سے

عزم حسینؑ عزم تھا پروردگار کا

درمیان راہ حضرت مسلم و ہانی کے بیدردانہ قتل کی دہشتناک خبر ایک عام انسان کے لئے صرف دہشت انگیز ہی نہیں بلکہ توہمت باختہ تھی.... مگر داہ رے حسینؑ کہ آپ کے پائے استقلال کو ذرہ برابر بھی لغزش نہ ہوئی بلکہ آپ کا عزم جو بقول جوشؔ ملیح آبادی "عزم پروردگار" تھا اور زیادہ مستحکم ہو گیا اور شوق شہادت آپ کو ارض نینوا کی طرف کھینچنے لگا...... اس کے بعد دسویں محرم کو وہ خونیں معرکہ ہوا جس کی یاد میں آجتک آسمان خون آلودہ نظر آتا ہے۔

بعد شہادت حسینؑ! کربلا کے لٹے ہوئے قافلہ کی آمد نے شام میں اضطراب پیدا کر دیا گلی کوچوں میں لوگوں کی اتنی بھیڑ ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ اس ستم رسیدہ قافلہ کو دیکھنے کے لئے لوگ جوق در جوق آرہے ہیں۔ یزید اپنے محلسرا کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھتا ہے اور اپنی کامیابی پر نازاں او رفرحاں دربار کا حکم دیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا دربار بھر جاتا ہے ——

اسی اثناء میں یہ لٹا ہوا قافلہ ایک بیمار ولاغر سالار کی معیت میں داخل دربار ہوتا ہے۔ گو وہ لٹے ہوئے ہیں ان کے چہرے خاک آلودہ ہیں پھر بھی ان کی صورتوں سے وہ شکوہ اور جلال نمودار ہوتا ہے کہ جس سے سارا دربار تھرتھرا اٹھتا ہے اور خود یزید کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ قافلہ کے آگے آگے نیزوں پر چڑھے ہوئے شہیدوں کے سر دکھائی دیتے ہیں جنھیں دیکھتے ہی یزید چلا اٹھتا ہے۔

"ہاہاہا!!! ..... دیکھو.... دیکھو! قرآن ناطق کے جگر پاروں کو دیکھو..... اور بتاؤ.... میں نے اپنا کہا کیا یا نہیں؟ ..... بولو' میں اپنے اجداد پر سبقت لے گیا یا نہیں؟ — سارے دربار پر ایک خوفناک خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور یزید آگے بڑھکر سر حسینؑ کو اپنے ناپاک ہاتھوں میں لے کر کہنے لگتا ہے۔ بتاؤ کیا یہ وہی حسین نہیں ہے جس نے میری بیعت کرنے سے انکار کیا تھا۔ دیکھو آج اس کا انجام کیا ہوا۔ تم سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ محمدؐ کا نواسہ ہے اور اس پر فتح پانی مشکل ہے۔ لیکن بتاؤ...... اب فتح کس کی ہوئی میری یا حسین کی؟"

وہ دیوانہ ہنسنے لگتا ہے اور سر مبارک کو طشت میں رکھ کر اٹھانا ہی چاہتا ہے کہ اس کے مستقبل کی روشنی میں اس کا تاج سر سے گر کر لڑھکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور دنیا کے سامنے یہ منظر آجاتا ہے —

ظلم وستم وجور کی طاقت لے لی
جو نسل میں جاتی وہ حکومت لے لی
شبیرؑ کے قدموں پہ گرا تاج یزید
بیعت کے طلبگار سے بیعت لے لی

(جناب فضل)

"تلوار"

از جناب سروش ملیح آبادی

تلوار ہوں میں اُس اسدِ ذوالجلال کی ۔۔۔ خورشید اک تجلی ہے جس کے جمال کی
رہتی ہوں ایک شیرِ الٰہی کے ہات میں ۔۔۔ کرتی ہوں غسل چشمۂ آبِ حیات میں
سایہ ہے مجھ پہ دستِ شہِ خوش خصال کا ۔۔۔ مریخ بھی ہے آئینہ میرے جمال کا
شمعِ قمر بجھا کے میں گردوں کے طاق میں ۔۔۔ در آؤں قصرِ گنبدِ نیلی رواق میں
مومن کے حق میں شاخِ گلِ برشگال ہوں ۔۔۔ تلوار میں نہیں ہوں نہ میں کسی کا ہلال ہوں
آئے جو غیض خونِ شفق کا میں چاٹ کر ۔۔۔ لوٹ آؤں پائے ابلقِ ایام کاٹ کر
نکلوں جو میں عقابِ اجل کے شکار کو ۔۔۔ توڑ آؤں شش جہت کے طلسمی حصار کو
شق کر کے سینۂ سپرِ آسمان کو ۔۔۔ دو ٹکڑے کر دوں قوسِ قزح کی کمان کو
پلّے ہیں آسمان و زمیں کے میں تول دوں ۔۔۔ گردوں پہ اُڑ کے فصد ستاروں کی کھول دوں
ابرو پہ بل پڑیں جو مرے کارزار میں ۔۔۔ اگ جائے آگ دامنِ ابرِ بہار میں
شق کر دوں ایک وار میں سینہ زمین کا ۔۔۔ چاہوں تو غرق کر دوں سفینہ زمین کا
میں کیا ہوں اک عروسِ اجل کا شباب ہوں ۔۔۔ محرابِ بابِ بیتِ رسالتمآبؐ ہوں
آتا نہیں ہے فرق خشوع و خضوع میں ۔۔۔ رہتی ہوں محو آٹھ پہر میں رکوع میں
چمکوں جو میں تو قلبِ جہنم دہل پڑے ۔۔۔ خود موت کا بھی منہ سے کلیجہ نکل پڑے

حسینی صداقت اور یزیدی سیاست میں فرق

(خطیب آلِ محمدؐ جناب مولانا سید محمد باقر صاحب)

وہ حضرات جن کے سامنے کربلا کی روح پرور انقلابی جنگ، کا مرقع ہے اور بنی امیہ کے طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہوں پر اُن کے غالب آجانے اور مسلمانوں کی سست اعتقادی سے اچھی طرح واقفیت ہے وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ حسینؑ نے اپنے نانا کے اُس سچے دین کو اور اسلامی قاعدوں کو گویا دوبارہ زندہ کر دیا۔ میں سچ کہتا ہوں اگر حسینؑ ابن علیؑ سفر غربت نہ اختیار کرتے اور مصائب آلام برداشت نہ کرتے تو وہ برتی احساس دنیائے انسانیت میں پیدا نہ ہوتا اور اسلام ایک بھیانک صورت میں عالم کے سامنے ہوتا۔ خدا معلوم اسلام کا نام بھی کوئی لیتا یا نہیں اس لئے اسلام تو رسول اعظم کا ایک ابتدائی نقش تھا اس کے مٹانے میں یزید اپنی دولت و حکومت غرضکہ سب کچھ صرف کرنے کے لئے آمادہ ہو چکا تھا۔ اسلام اور اس کے رسوم و قوانین ایک حد تک فنا ہو چکے تھے یزید کو اپنی ہوشیاری اور سیاست دانی پر بڑا ناز تھا حسینؑ ابن علیؑ بھی کسی معمولی باپ کے بیٹے نہ تھے ہر نقش قدم میں سیاست علویہ کے نقش و نگار معلوم ہوتے تھے۔ اور آپ نے باپ کی نبرد آزما تلوار کے جوہر مقام حق پر دکھا کر ید اللہ فوق ایدیہم کی تفسیر ظاہری پیش کی لیکن بعض نا عقبت اندیش یہ اعتراض کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حسینؑ ابن علیؑ نے قرآنی آیت کے خلاف کیا کیونکہ قرآن مجید میں صریحاً یہ حکم ہے کہ ولا تلقو بایدکم الی التھلکتہ (اپنے ہاتھوں سے خود کو تہلکہ میں نہ پہونچاؤ) حقیقت یہ ہے کہ وہ تہلکہ کے معنی ہی نہ سمجھے اور کون معانی قرآن ان ذوات مقدسہ سے بہتر سمجھ سکتا ہے۔ کلام اللہ جن کا معرف ہے اور انھیں کے نقش عمل کی یاد تازہ کرتا ہے اور کرتا رہے گا اور میں نے تو اکثر مقامات پر دیکھا کہ پہلے ان حضرات نے عمل کیا اور وہ عمل ذات احدیت کو اتنا محبوب ہوا کہ اُس کا ذکر قرآنی شکل میں قیامت تک باقی رکھا تاکہ تمام بنی نوع انسان ان کے ذکر سے ثواب حاصل کریں اور بشری طاقت سے باہر ہے کہ ہم ان کے اعمال حسنہ کے وزن کو اندازے میں لا سکیں جس کے ذکر میں اتنا ثواب ہو خدا ہی جانے کہ اُن کی طاقت عملی کتنی عظیم تھی کہ پیغمبر بھی ایک ضرب کی تعریف میں یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ضربتہ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ ثقلین الی یوم القیامتہ یہ تو باپ کے جہاد کا تذکرہ تھا اور

بیٹے کی شہادت اور خدمت راہ حق میں اتنی باندھی کہ جلیل نے خلیل کو یہ کہہ کر تسلی دیدی کہ ہم نے تمھارا ہدیہ قبول کر لیا اور یہ شرف تمھاری ہی نسل کو حاصل ہوگا۔

وفدیناہ بذبح عظیم و ترکنا علیہ فی الآخرین۔ جب ۶۰ھ رخصت ہوا اسی کے ساتھ ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کا راحت و آرام بھی ختم ہوگیا معاویہ کا لاڈلا فرزند یزید گویا رسول اسلام کا جانشین بنایا گیا اور احکام الٰہی کا بظاہر نگہبان بنکر منافقت کی چادر اتار کر یزید نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ مدینہ میں ولید کو یہ حکم دیا کہ میرے لئے حسینؑ ابن علیؑ سے بیعت لو اور اگر بیعت نہ کریں تو مقتول کر کے ان کا سر کاٹ کر روانہ کردو ادھر حسینؑ ابن علیؑ نے بھی کمر ہمت مستحکم باندھ لی اور وقتی فتح و ظفر کو چھوڑ کر ابدی کامیابی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ کیا آپ اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ ہرگز نہیں بلکہ انسانیت صداقت و حرم اور وہ دین جو آپ کو ہر چیز سے زائد محبوب تھا جس کے پھیلانے میں آپ کے نانا نے اپنا خون اور پسینہ ایک کر دیا تھا جس کے روشن چہرے پر آپ کے باپ علی مرتضیٰؑ نے کسی وقت بھی دھندلا سا دھبہ لاغبار آنا گوارا نہ کیا اور جس کی بقا کے لئے آپ کے بڑے بھائی امام حسنؑ نے اپنے زمانے میں صلح کی چادر ڈال کر محفوظ کیا مگر انقلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ پلٹا کھاتا رہا یہاں تک کہ حسینی دور میں یزید بھی کھلم کھلا سامنے آگیا اور نقاب منافقت اپنے چہرہ سے ہٹا دی اور اس کو سوائے قتل حسینؑ کے اور کوئی کام ہی نہ تھا

لہذا حسینؑ نے بھی اپنے سچے نظریہ اور خیال سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہا اور اس کے بچاؤ کے لئے اپنے چہیتے نانا کا مزار چھوڑا اور ماں کی لحد سے الگ ہوئے لیکن قدم قدم پر اس کا اثر یہ ہوا کہ قصر یزید کی بنیادیں کمزور ہوتی گئیں یزید بھی ان باریکیوں سے بے خبر نہ تھا وہ جانتا تھا کہ اگر حسین ابن علیؑ نے کسی چھوٹے سے چھوٹے مقام پر سکونت اختیار کی تو ان کے وجود میں بنی امیہ والے کسی وقت میں اپنی اسکیم میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور ابھی انھوں نے علم مخالفت بلند کردیا تو لوگوں کو جو نفرت بنی امیہ کے طرز معاشرت اور حکومت سے ہو گئی ہے اور حسینؑ ابن علیؑ کی جانب سے عالم کی کشش بڑھتی جارہی ہے اس کا آئندہ روکنا دشوار ہو جائے گا اور اگر نہ روکا جائے تو سلطنت بنی امیہ کا دائمی قلع قمع ہو جائیگا لہذا قتل حسینؑ یزید کی نگاہوں میں سب سے زیادہ اہم کام تھا اور اپنی ترقی و اقتدار کے باقی رکھنے کے لئے اس نے ضروری سمجھا کہ حسینؑ کو بے جرم و خطا قتل کیا جائے اور یہی یزید کی سیاسی غلطیوں میں سے پہلی غلطی اور سیاسی خطا کہی جا سکتی ہے۔

”یادگارِ دوعالم“

(جناب رضا انصاری شکارپوری)

فرقہ کو یادگار دوعالم بنا گئے صبر و رضائے خلق جہاں کو دکھا گئے
حقانیت سے زور تکبر گھٹا گئے ایسے مٹے کہ کفر کی ہستی مٹا گئے
حق تو یہ ہے کہ دین کی بگڑی بنا گئے

باطل نے جبکہ نقشِ حقیقت مٹا دیا نخوت نے شش جہت میں تہلکہ مچا دیا
طوفانِ ظلم و جور نے عالم ہلا دیا خشکی میں جب جہاز نبیؐ ڈگمگا دیا
پیاسے ہزار خون کے دریا بہا گئے

ہمت غضب کی پیاس کے ماروں میں دیکھ لو ایک ایک جانثار ہزاروں میں دیکھ لو
کڑیل جواں کو لاکھ سواروں میں دیکھ لو بیشیر کو وہ تیغوں کی دھاروں میں دیکھ لو
نصرت میں دین حق کی گلوں کو کٹا گئے

قسمت نے شاہِ دین کو کیا باوفا دیئے ہمشیر جس نے شوق سے دو دلربا دیئے
بھائی وہ جس نے نہر پہ شانے کٹا دیئے بچے وہ تیر کھا کے بھی جو مسکرا دیئے
ننھے گلے پہ ظلم کے ناوک کو کھا گئے

غربت میں اپنے صبر کا جوہر دکھا دیا قانونِ حق و صدق جہاں کو بتا دیا
خوں دیکے اپنا رنگ حقیقت جما دیا دنیا میں آج دین کو محکم بنا دیا
مر کر خدا کے دین کی ہستی بنا گئے

ہردم یہ تھا خیال کوئی کام رہ نہ جائے نانا جو دے گئے ہیں وہ پیغام رہ نہ جائے
طفلی کے وعدے کا سرانجام رہ نہ جائے شاکی رضا یہ مذہب اسلام رہ نہ جائے
سر دیکے آپ دین پیمبرؐ بچا گئے

"پیکرِ ایثار"

(از جناب سید دلبر حسن صاحب سحر بی۔اے مرحوم سابق ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور و سرفراز لکھنؤ)

السلام اے واقفِ سرِ حقیقت السّلام
السلام اے مخزنِ رشد و ہدایت السلام

السلام اے نورِ چشمِ مرتضیٰ پورِ بتول
گوہرِ سلکِ امامت اے گلباغِ رسولؐ

السلام اے رمزِ قرآں معنیِ ذبحِ عظیم
حصہ دارِ ہل اتیٰ شمعِ صراطِ مستقیم

شیرِ میدانِ شجاعت پیکرِ ہمت ہے تو
کارزارِ زندگانی کیلئے عزت ہے تو

تیرا عزم کوہ آسا تیرا ضبط لاجواب
دے رہا ہے آج تک دنیا کو درسِ انقلاب

امتِ مرحوم کی بگڑی بنانے کے لئے
آ گیا کرب و بلا میں گھر لٹانے کیلئے

پیاس کی شدت جواں بیٹے کا غم گرمی کا زور
اور خیموں میں بلکتے چیختے بچوں کا شور

بھانجے بھائی بھتیجے دوست دم توڑے ہوئے
موت کے ہاتھوں شہِ مظلوم کو چھوڑے ہوئے

آتشیں تیروں کی بارش تیز نیزوں کی چمک
دامنِ اسلام پر گستاخ شعلوں کی لپک

ہر طرف خونخوار پیکاں اپنے پر تولے ہوئے
چارسو منڈلا رہی ہے موت منہ کھولے ہوئے

اتنے اعدا سے اکیلا برسرِ پیکار رہے
اللہ اللہ عشق کی منزل بھی کیا دشوار ہے

آرزوؤں کا تلاطم ہے نہ کچھ خوف و ہراس
اتنے صدموں پر بھی قائم ہیں ترے ہوش و حواس

گو مصائب سہتے سہتے ہو گئے ہیں تین دن
پھر بھی یہ دل گردہ یہ جرأت یہ نفسِ مطمئن

خون کے چھینٹوں سے دیتا ہے جلا اسلام کو
یعنی دنیا میں خدا کے آخری پیغام کو

منزلیں طے ہو رہی ہیں عشق کے آئین کی
خون کے دھارے پہ کشتی کھے رہا دین کی

خونِ اصغرؑ سے وضو کر کے بعد بیچارگی
سایہ میں تیغوں کے پڑھتا ہے نمازِ آخری

تیری ہمت کے تصدق تیری جرأت کے نثار
اے مرے مظلوم آقا کربلا کے تاجدار

خونِ مظلومی نے تیرے آگ تن میں پھونک دی
روح پھر اسلام کے مردہ بدن میں پھونک دی

نوعِ انسانی ترا احساں بھلا سکتی نہیں
نام کو تیرے کوئی طاقت مٹا سکتی نہیں

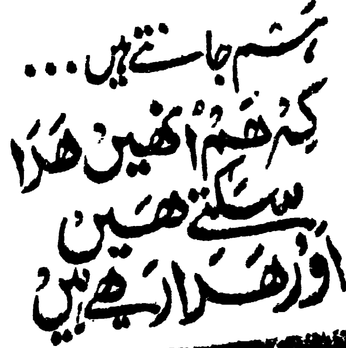
خاتمے کی ابتدا



آپ کو یہ نام یاد تو ہوں گے؟ ... کبھی ان دنوں یہ نام اہم خبروں کے عنوان ہوتے تھے۔ دیماپور کے قریب ریلوے لائن سخت خطرے میں تھی۔ کوہیما میں متعین ہندوستانی فوج جاپانیوں کی بھاری تعداد کے نرغے میں آکر محصور ہو گئی تھی۔ جاپانی فوج امپھال کے میدانوں میں گھس آئی تھی اور بشن پور کے شمال و جنوب میں پہونچی ہوئی تھی۔ اکھرول غیر محفوظ تھا۔

یہ سب کچھ اب پرانا قصہ ہو گیا۔ جاپانی شکست کھا چکے اور سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہے ہیں تاکہ وہ کسی جگہ دم تو رہے۔ ۱۵ میل قریب بھی نہیں۔ ناگا لوگ کوہیما میں واپس آ گئے۔ گولیوں سے چھلنی اور بموں سے کھدے ہوئے اس پہاڑی قصبے کو نئے سرے سے بنانے کی تدابیر جاری ہیں۔ بشن پور کی پہاڑیوں میں جاپانی فوج کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں، جسے وہ ناقابل شکست بتاتے ہیں ... یہ ان کے خاتمے کی ابتدا ہے۔ اسے پڑھتے وقت ...... ان جانباز بہادروں کا خیال کیجئے جن کی بدولت یہ فتوحات ممکن ہو سکیں ...

ہماری فوجیں - ثابت کر چکیں کہ جاپانی نہ دیوتا ہیں نہ اجیت اور غیر معمولی مخلوق۔



قومی جنگی محاذ نے شائع کیا

موجِ فرات

پر

ایک نظر

(از جناب صادق حسین صاحب خنداں منیجر سرفراز لکھنؤ)

یہ امر مسلّمہ ہی کہ اردو شاعری کی ابتدا غزل سے ہوئی اور اقوام عالم کی بیداری زیادہ تر افکار شعرا کی مرہون منت ہے زمانے کے ہزاروں انقلاب آنے کے بعد بھی وہی پرانی تخیل کارفرما ہی اور موجودہ دور میں شاعری کی افادیت عام طور سے تسلیم کی جاتی ہی۔

شاعری کی سب سے ممتاز صنف غزل ہی اور حقیقت یہ ہے کہ غزل میں نئے اور کہنہ استعارات، گل و بلبل شیشہ و پیمانہ حسن و عشق کے پردوں میں اُن عقلی، جذباتی اور نفسیاتی حقیقتوں کا اظہار کر دیا ہے اور جس باریک نفس اور اخلاقی نکتوں کو بے نقاب کر دیا ہے، اس کی مثال جدید شعرا اپنے طویل دفتروں میں نہیں پیش کر سکتے سچ یہ ہی کہ غزل جذبات۔ نفسیات سوز و گداز کی مکمل تصویر و لآویز اور رسیلے الفاظ کے مجموعہ کا نام ہی۔

غزل کے بعد سلام و نوحہ قصیدہ کا درجہ ہے، صنف شاعری میں سلام و نوحہ قصیدہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے سلام و نوحہ چونکہ امام حسین سے متعلق ہی اور وہ خلوص و محبت کی بنیاد پر کہا جاتا ہی اس لیے غزل کی بہ نسبت سلام و نوحہ کم لوگوں نے کہا ہے۔ چونکہ یہ دنیا غزل کی دنیا سے وسیع ہے اور بعض ایسی دشواریاں بھی ہیں جس کو ہر دماغ کا برداشت کرنا اور حدود میں باقی رہنا کسی قدر مشکل ہی غزل میں مضامین بلاقید و بند تسلیم کئے جاسکتے ہیں مگر سلام و نوحہ میں اور واقعات اصل مطمح نظر ہوتا ہی جس طرح غزل کے لیے یہ ضروری ہے کہ لطافت شعری اور ندرت تخیل ایسی ہو کہ سننے والے میں ایک کیف پیدا کر دے۔ اگر غم کی تصویر کشی کی جائے تو مخاطب ہمہ تن سوز کی تصویر ہو جائے اور یہ چیز جذبات سے پیدا ہوتی ہے تصنع اور نمائش لفظی سے یہ چیز بالکل الگ ہی

جہاں تک صحیح جذبات اور خلوص کا سوال ہے اس کا عکس یہ ظفر عباس صاحب فضل اڈیٹر نظارہ میں بہت زیادہ کارفرما ہی چونکہ موصوف کا ذوق شعری فطری ہے اور کلام میں پختگی ندرت سوز و گداز بدرجہ اتم پائی جاتی ہے موصوف حضرت امام حسین کے سچے فدائی اور حسین کی محبت اس درجہ غالب ہوئی کہ موصوف نے احتراماً غزل گوئی ترک فرمادی نوحہ، سلام اپنا شعار کر لیا یہی وجہ ہے کہ نوحہ کی دنیا میں جو بڑی حد تک محدود رہتا ہے آپ اس میں سے راستے پیدا کر کے اس کو روشن بنانے کی سعی فرما رہے ہیں اور اس سعی

تو آپ بہت زیادہ کامیاب کہے جا سکتے ہیں چونکہ غزل کی طرف آپ کا رجحان فطری ہے اس لیے سلام و نوحہ میں تغزل کی شوخی سوز و گداز کے مضامین کو دو آتشہ کر دیتی ہے

میرے زیر نظر موصوف کی بیاض موج فرات حصہ دوم ہے جس کا حصہ اول ملک میں اس قدر مقبول ہوا ہے کہ تین مرتبہ ایک سال ہی میں طبع کرایا گیا۔ موج فرات سے چند جواہر ریزے پیش کر رہا ہوں شعر و سخن کے جوہری ہیرے اور پتھر کو خود پرکھ لیں گے۔

کونین کو تخلیق کا مفہوم بتانا شبیر سے سیکھو!
دنیا کی جبیں مرکز وحدت پہ جھکانا شبیر سے سیکھو

ایک وسیع مضمون تخلیق کونین اور خدا کی وحدانیت کے مسئلہ کو انتہائی سبک الفاظ اور خوش اسلوبی کے ساتھ نظم کر دیا اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں موصوف کا فطری رجحان غزل کی طرف تھا۔ اور یہی جھلک آپ کے نوحوں میں کہیں نہ کہیں ضرور آ جاتی ہے فرماتے ہیں

پردہ خیمہ کا اٹھا یوں اکبر نکلے
جس طرح چاند گھٹاؤں کو ہٹا کر نکلے

ایک تصویر کھینچ دی ہے

کیا کرب و بلا کے ذروں میں تنویر خدا نے بخشی ہے
دنیا میں وہی اب جنت ہے جو قتل گہ سادات رہی

مصرع ثانی میں جس جوش و خلوص کا اظہار کیا ہے قابل داد ہے۔

فرماتے ہیں۔

مسکراتی ہوئی ہے سر پہ دریا کی روانی معیار محبت سے وہ گرتا ہوا پانی
وہ ٹھہر سے گئے اشک میں تصویر جوانی ہر زخم کلیجے کا ہے قسمت کی نشانی

ہے کون جو ٹوٹی ہوئی برچھی کو نکالے
امت کے لیے مرگ جواں بھولنے والے

غرض بیاض بھر سوز و غم کا مرقع ہے ہر نوحہ میں آپ کی شعری خصوصیات پابندی تخیل، تغزل، شوخی، پختگی سب کچھ پائی جاتی ہے۔ اختصار کے خیال سے زیادہ اشعار پیش نہ کر سکا صاحبان ذوق عہد میں منیجر نظارہ بکڈپو لکھنؤ سے خرید فرما کر ملاحظہ فرمائیں۔

"ہماری بنیادی کمزوریوں کے بانی"

(اور)

اُس کے مصلح!

(از جناب سید عباس علی صاحب وفا ملک پوری)

نظارہ کا یہ متبرک نمبر تقریباً قوم کی ہر فرد کی نظر سے گزرتا ہے اور مومنین اس کو شوق سے پڑھتے ہیں اس لیے جناب وفا کا یہ اصلاحی مضمون جو شیعہ قوم کی اصلاح اور بہبودی سے متعلق ہے دیا جا رہا ہے تاکہ ہم میں خدمات قوم اور مذہب کا جذبہ بڑھے اور ہم اپنی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل سکیں ← فضل)

اخبار نظارہ مورخہ ۲۸ ر نومبر میں ایک "اصلاحی" مضمون نظر قاصر سے گزرا جو فاضل مستطاب جناب مولانا سید علی حیدر صاحب دام کمالہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے مجھے جناب ممدوح سے کوئی ذاتی تعارف حاصل نہیں (بلکہ ۲۸ ر نومبر سے پہلے تو میں اسم گرامی سے بھی ناواقف تھا) بایں ہمہ موصوف کے بلند پایہ اصلاحی مضمون کو دیکھکر بیساختہ دل سے یہ صدا بلند ہوئی کہ خدا ایسے ہی چند "صاف گو" اور "با احساس" افراد قوم کو خلق فرمائے اور ان کے دل میں جذبۂ "اصلاح و عمل" کو باقی و برقرار رکھے۔

مولانا موصوف نے اپنی قومی "بنیادی کمزوریوں" کے جو وجوہ "بابانگ دہل" بلا خوف "لومۃ لائم" تحریر فرماتے ہیں وہ سو فیصدی سچے اور صحیح ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بنیادی کمزوریاں کیوں پیدا ہوئیں؟ اور اب کیا ان کی "اصلاح" بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ دونوں پہلوؤں کو بقدر امکان بیان کر دوں۔

ہماری قومیاتی کمزوریوں کے جو اسباب ہو سکتے ہیں انہیں سب سے زیادہ روشن اور واضح دو سبب ہیں۔ ایک تو "لا مذہبیت" کا وہ بے پناہ "سیلاب" ہے جو "مغربی" تعلیم و تہذیب کے پرشور چشمے سے اُبل کر دینی مذہب کی عمارتوں سے ٹکرا گیا ہے اور ان کی بنیادوں کو کمزور سے کمزور تر بنا رہا ہے۔ ہماری قوم کے وہ "نونہال" جن سے مذہب کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں ان "موج ہائے بیقرار" کی بل کھاتی لہروں کے ساتھ بہتے چلے جا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے آبائی "وضع" کو ڈھکوسلا سمجھکر پس پشت ڈال رکھا ہے۔ مذہبی پابندیوں کو ایک جال سمجھ کر اس سے (آزادی حاصل کرنے کے لیے) پارہ پارہ کر ڈالا ہے اسلامی تہذیب" و اخلاق کو جدید "ایٹیکیٹ" اور "ریویزیشن" کے خلاف سمجھکر نظر انداز کر دیا۔ اور پھر اس "انقلاب مادی" کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ "خودی" کے جوش میں اپنے خدا کو بھول گئے"

اب اسکے بعد یہ دوسری وجہ ہے اس کا تعلق صنف ذاکرین و واعظین سے ہے اور بس "علمی کمزوری" کا کچھ نہ کچھ تعلق ان حضرات سے بھی ہے جنھوں نے وعظ و نصیحت کا رُخ بدل کر دفتی واہ واہ اور سبحان اللہ کے لیے اپنے بیانات میں محض دلچسپ اور خوش کن گوشے پیدا کرنا شروع کر دیے اور اسی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا۔

حسین مظلوم کی "عظیم الشان قربانی" کی "یادگار" منانے کا زمانہ قریب آ رہا ہے عشرۂ محرم میں ذاکرین و واعظین اپنے اپنے "فرائض" کو انجام دینے کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام پر تشریف لے جائیں گے اور مجالس میں بڑے زور و شور کے ساتھ یہ حدیث شریف بیان کی جائیگی کہ "من بکی علی الحسین وجبت لہ الجنۃ" ہر ایک یہ کہتا ہوا نظر آئے گا کہ غم حسین میں "آنسو" کے چند قطرے بہا دینا اور دو چار "ٹھنڈی آہیں" بھر لینا ہی ہماری بخشش کے لیے کافی ہیں۔

میرا دل تاریک اور دماغ منتقی ہو جائے اگر چشم زدن کے لیے بھی یہ تصور کروں کہ معاذ اللہ یہ حدیث موضوع یا غلط ہے۔ میری زبان جل جائے اگر میں کبھی اس قسم کے "عقیدت شکن" خیالات کا اظہار بھی کروں مگر میں ارباب عقل و دانش و اصحاب عدل و انصاف سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا حسین مظلوم کے غم میں نکلے ہوئے "آنسو" کے صرف چند قطرے اور دیگر واجبات و فرائض اسلام و ایمان سے "مستغنی و بے پرواہ" کر دینے کے لیے کافی ہیں؟ کیا بغیر صلوٰۃ و صوم اور زکوٰۃ و خمس کی پابندی کے "شافع محشر" کے "نواسے" "ساقی کوثر" کے "شاہزادے" "خاتون جنت" کے "قرۃ العین" "جوانان جناں" کے "سردار" ہمارے جنت میں داخلے کا پروانہ یا پاس عنایت فرمائیں گے اور ہمارے لیے "قصر جنت" کو آراستہ کرنے کا حکم فرمائیں گے؟ کیا حسین مظلوم کی "قربانی" کا مقصد صرف یہی ہے کہ ان کے غم میں خوب رویا جائے اور اچھی طرح "سینہ زنی" کی جائے اور اُن احکام و فرائض کو بالکل پس پشت ڈال دیا جائے جن کی "تعمیر و بقا" کے لیے یہ المناک واقعہ اور خونفشاں حادثہ وقوع میں آیا؟ لا واللہ ہرگز ہرگز کربلا کی عظیم الشان قربانی کا یہ مقصد و منشا نہیں۔

بے شک حسین اور حسین کی باعصمت ماں اور باعظمت جد و پدر اس سے زیادہ خوش ہوں گے کہ روتے بھی جاؤ اور نمازیں بھی پڑھتے رہو، ماتم کرتے جاؤ مگر روزہ بھی ترک نہ کرو۔ میں بھی یہ ہر وقت کہنے کے لیے تیار ہوں کہ بیشک حسین پہ رونا ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے کافی ہے مگر اُسی طرح کہ جیسے نزلہ و زکام کے لیے جوشاندہ جس طرح جوشاندہ اس وقت فائدہ کر سکتا ہے جبکہ مریض اسکے حد سے پرہیز کرے بس اسی طرح حسین مظلوم پہ رونا اسی وقت مفید ہو سکتا ہے کہ محبین حسین کے "امر" پہ عمل اور "نہی" سے "پرہیز" کیا جائے۔ اور یہی کربلا کی "عظیم الشان" قربانی کا سب سے پہلا اور آخری "مقصد" ہے جس سے کسی صاحب عقل و ہوش کو انکار نہیں ہو سکتا۔

تعجب تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری خلقت "رونے" کے لیے ہوئی ہے۔ بے شک قرآن مجید میں

یہ بھی موجود ہے کہ "فلیضحکوا قلیلاً و لیبکوا کثیراً"، (ہنسو کم روؤ زیادہ)، ہم جانتے ہیں کہ رسول نے اپنی "پارہ جگر" کے "دل" کی تسکین کے لیے فرمایا تھا کہ خدا ایک قوم کو پیدا کرے گا جو حسینؑ پر روئے گی اور ان کا غم منائے گی لیکن میرے پیارے بھائیو! اس سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ صرف رونے کے لیے ہی خلقت ہوتی ہے"

ہم نے نہایت افسوس کے ساتھ یہ بھی سنا ہے کہ بعض "ذاکرین" نے اپنے جوش عقیدت میں آکر بالائے منبر یہ بھی فرما دیا کہ بس "جڑ مضبوط ہونی چاہیئے شاخیں سوکھ جائیں سوکھ جانے دو وہ پھر تازہ ہو جائیں گی (نہ جانے کیونکر؟)

میرا ذاتی خیال تو یہ ہے (اور شاید صحیح بھی ہو) کہ شاخیں تو اس وقت تک ہرگز نہیں خشک ہو سکتیں جب تک "اصل" میں قوت نمو کارفرما ہے اور "در اصل" "فرع" کا خشک ہو جانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "اصل" بھی خشک ہوی جا رہی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ شاخ پہلے سوکھتی ہے اور جڑ بعد میں۔ تو بندہ نواز! اگر آپ کی اصل ابھی نہیں خشک ہوی ہے صرف شاخیں سوکھ گئی ہیں تو خدارا اب بھی ہوش میں آئیے اور اپنے اعمال صالحہ کے موجیں مارتے ہوے "سمندر" سے اس طرح اپنی اصلوں کو سیراب کیجیے کہ از سر نو شاخوں میں تازگی پیدا ہو جائے اور اس کا ہر سرتیہ جو بےعملی کی دھوپ سے جھلس کر زرد پڑ گیا ہے "ہرا" ہو جائے پھر دیکھیے بلا عذر آپ کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ برگہائے درخت کے مانند کیوں نہ ہوں

آج بھی ہمارے کانوں میں علمائے سابقین کے دہن مبارک سے نکلے ہوے کلمات صداقت گونج رہے ہیں۔ ہم برابر سنتے ہیں کہ جب وہ منبر پر جاتے تو بلا خوف سلاطین دنیا اور بلا ہراس رؤسا زماں "بہ بانگ دہل" اوامر و نواہی الٰہی کو بیان کر دیتے۔ اگر کبھی بالائے منبر جاتے ہوے ان کے کان میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ "بادشاہ یا نواب کو شراب کا شوق ہے اگر اس کا ذکر نہ آئے تو مناسب [illegible] وہ زیب منبر ہوتے ہیں تو بعد حمد خدا و ثنا رسول اُن کی زبان حق ترجمان پر سب سے پہلے جو الفاظ "بلا تکلف" جاری ہوتے ہیں وہ قرآن مبارک کا وہ فرمان ہوتا ہے کہ "انما الخمر والمیسر والانصاب رجس من عمل الشیطان" اور اس حقیقت کا اثر بادشاہ وقت پر یہ پڑتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے شراب کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے مگر آج ہم اکثر و بیشتر خطبا کرام و فضلا عظام کو دیکھتے ہیں انھوں نے بر سر منبر ایسے امور کا ذکر ہی ترک کر دیا ہے جس سے مومنین کے دل میں احکام شریعت کی اہمیت، اور قوانین اسلام کی پابندی کا "جذبہ" پیدا ہو۔ آج اگر ہم ایسے بعض لوگ مومنین کو "عمل" کی دعوت بھی دیتے ہیں تو چونکہ وہ خود "عامل" نہیں ہوتے اور "یقولون ما لا تفعلون" کے مصداق ہیں اس لیے ان کے قول کا کوئی اثر نہیں ہوتا جیسی تو مشہور ہے کہ "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ "واعظ کو متعظ" ہونا چاہیے۔

یہ زمانہ ترقی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اور ہر انسان ترقی کے دور سے گزرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ لیکن "انسانیت" فنا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر نگاہ حقیقت بیں سے دیکھا جائے

تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "جرمن و جاپان کے وجود و مباروں" نے اپنی ساری "توپیں" "قلعہ انسانیت" پر برسادی ہیں اور اس کو اس طرح مسمار کر دیا ہے کہ اب اُس کا "وجود" بالکل مٹ گیا اور صرف "اثر" باقی ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی آثار ہماری قوم کے نوجوان مشہور شاعر "خمار بارہ بنکوی" کی نظروں کے سامنے "منزلِ انسانیت" کی تصویر بن کر آئے ہوں اور اس بھیانک تصویر کو دیکھتے ہی شاعر کے "جذبات" لرز گئے ہوں اور اُس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے ہوں کہ ؎

سبھی کچھ ہو رہا ہے اس ترقی کے زمانے میں
مگر یہ کیا غضب ہے "آدمی" "انساں" نہیں ہوتا

"باب ہمہ باب تنزل" اگر آج بھی ہمارے علماء و فضلاء اپنے طرزِ عمل میں "ترمیم" کر دیں تو اب بھی پرانی تصویریں نئی صورت سے عالمِ شہود میں "پیکرِ انسانیت" بن کر ظاہر ہو سکتی ہیں قوم کی اصلاح جس قدر پیشوایانِ قوم اور رہنمایانِ ملت کر سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ ہم نے معتبر ذرائع سے یہ سنا ہے (اور ہماری عقل بھی اس کو تسلیم کرنے میں پس و پیش نہیں کرتی) کہ سرکار "نجم العلماء و ناصر العلماء" اعلی اللہ مقامہما نے یہ طے فرما لیا تھا کہ جب شادی محفل رقص و سرود کی بنا کی جائے یا طرب انگیز باجوں کی صدائیں بلند ہوں ان میں "نکاح" پڑھنے سے قطعاً احتراز کیا جائے۔ مگر آج کتنے صاحبانِ علم و فضل ہیں جو عملی اعتبار سے ان احکام کا اتباع فرماتے ہیں۔ اور گزشتہ علماء کے احکام کے ماتحت زبان پر صیغہ نکاح جاری کرتے ہیں۔

سرکار ناصر الملۃ رح کے سامنے جب کوئی شیعہ اپنے چہرے سے ڈاڑھی کے بالوں کو خار زار سمجھ کر صاف کر کے سرکار مرحوم کے پاس آتا تو آپ اُس سے نظر برابر کر کے بات نہیں کرتے (میری آنکھیں یہ مناظر خود دیکھ چکی ہیں) اور آج یہ ہے کہ بڑے بڑے علماء خاص طور سے اپنے مراسم ایسے صاف چہرہ (مگر میلا دل) رکھنے والے حضرات سے پیدا کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ خدا نے غریبوں کی دعوتیں کرنا اور اُن کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے اور اسپر اجر جزیل عطا کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے مگر یہ حضرات غرباء کی دعوت ضروری نہیں سمجھتے اور انھیں ڈاڑھی منڈاتے ہوئے رؤساء کو اپنی بزم مخصوص میں مدعو کرتے ہیں اور اُن کی مدارات کی جاتی ہے انھیں "ڈنر" دیا جاتا ہے پھر جب وہ تشریف لاتے ہیں تو ان کا استقبال بڑی خندہ پیشانی سے کیا جاتا ہے (افسوس! پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے)

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

ان امور سے ہمارا مقصد معاذ اللہ توہینِ علماء نہیں ہے اس لیے کہ ہم اس کو "کفر" سمجھتے ہیں مگر چونکہ اظہارِ واقعہ بھی علامت "ایمان" ہے لہذا امور مذکورہ ظاہر کر دیئے گئے۔

اصلاحِ قوم کی صورتیں

انبیاء و ائمہ کا تو ذکر ہی چھوڑ دیجئے اگر آج بھی یہ جدید علماء قدیم علماء کرام کی سیرت پر سختی کے ساتھ کارفرما ہوں تو ان کی سختیاں بہت سے بھٹکے ہوئے شیعوں کے لیے "تازیانۂ عمل" بن سکتی ہیں۔ ذاکرین کا یہ فریضہ ہونا چاہیئے کہ وہ فضائل و مصائب کے ذکر کے ساتھ سیرتِ ائمہ پر عمل پیرا ہونے کی سختی کے ساتھ دعوت دیں حق باتیں برسرِ منبر بلا خوف و خطر ظاہر اور واضح کر دیں

خلاف شریعت کرنے والے اصحاب سے ایسے رسوم نہ پیدا کریں جن سے خاص خصوصیات کا اظہار ہوتا ہو اور ان کو وقتاً فوقتاً توہین احکام خدا سے باز رہنے کی نصیحت کرتے رہیں آخر کبھی تو وہ اثر پذیر ہوگا۔

اسکے بعد "اصلاح قوم" کے کچھ فرائض ہمارے قومی اخبارات سے بھی متعلق ہیں اُن کو بھی لازم ہے بجائے اسکے کہ "سینما" کے اشتہارات شایع کریں قدرت کے انتظام پر بھروسہ کرتے ہوے اتنی ہی جگہوں میں انبیاء و ائمہ کے اقوال کو کبھی کبھی پیش کرتے رہیں۔ اپنے اپنے "افتتاحیہ" مقالوں میں کسی سے "ذاتی نوک جھونک" کے بجائے اپنے بھائیوں کو عمل پر آمادہ کریں۔ برائیوں کو حقارت آمیز اور نفرت انگیز الفاظ میں پیش کرکے لوگوں کے دلوں میں تنفر پیدا کریں، اچھائیوں کو اچھے سے اچھے "مبشر" الفاظ میں پیش کرکے مومنین کے قلوب میں عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں مگر ان کے لیے بھی باعمل ہونا شرط ہے ہمیں یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ ہماری قومی اخبارات کے بعض اڈیٹران تو ڈاڑھی رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اور نہ سینما کے اشتہارات شایع کرنا بند کرتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ "قومی اخبارات" میں "تجلی"، اور "سلمیٰ" کی "سرخیاں" نظر آئیں اور اُن کے دلربا مناظر، خوشنما سینریوں پر خوب خوب تبصرے ہوں کیا "اخبار" کے "خور و نوش" کا صرف یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے جو کیا اس قسم کی تجارت سے شریعت میں روکا نہیں گیا ہے؟ کیا اسے ممنوع اور حرام قرار نہیں دیا۔ تعجب ہے کہ علماء لکھنؤ اور ذمہ داران کیسے ...... ان امور کو دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں "قومی اخبار" میں یہ باتیں۔

اصلاح قوم کی تھوڑی سی ذمہ داری شعراء قوم سے بھی متعلق ہے اگر وہ بھی برابر اپنی نظموں میں عملی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں تو کچھ نہ کچھ دل ضرور مائل ہوں گے۔ جب نوحہ کہنے کا ثواب بے حساب ہے اور "مرثیہ" کہنا باعث اجر جزیل ہے تو کیا قوم کو "دعوت عمل" کے لیے تھوڑا وقت صرف کرنا موجب اجر جمیل نہیں بن سکتا؟ مگر شعراء میں بھی صرف زبانی "جوش" اور خیالی "آرزو" رکھنے والے حضرات نہ ہوں "سینما ہاؤس" یا "فلم کمپنیوں" کی چہار دیواری سے "قومی صدا" ہرگز بلند نہیں ہوسکتی اور اگر کبھی بلند ہو بھی گئی تو اس کو "قوم" کے "کان" ضرور سنیں گے مگر دل انکار کرے گا۔

ہمارے "قومی نوجوانوں" کی اصلاح کی سب سے بڑی اور پہلی ذمہ داری اُن کے والدین اور مربیان سے متعلق ہے اگر وہ بچپنے ہی سے بہتر تعلیم اور بہترین تربیت کی طرف توجہ کریں اور ان کو احکام شریعت پر چلانے کی سعی بلیغ کریں اور اسلامی نقطۂ نگاہ "کو پیش نظر" رکھتے ہوے عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ان کو تمام احکام شریعت خصوصاً نماز روزہ کی پابندی کے لیے سختی اور بہت سختی سے کام لیں اور لاڈ و پیار میں اپنے پیارے بچوں کی دنیا و آخرت کو تاریک اور سیاہ نہ بنائیں ایسے ماں باپ بھی میرے پیش نظر ہیں جو اپنے لڑکوں کو روزہ رکھنے سے روکتے ہیں اس لیے کہ وہ دبلا ہو جائے گا

"برین عقل و دانش بباید گریست"

والدین کے علاوہ اساتذہ کا بھی فریضہ ہے کہ وہ ان امور

کا خیال رکھیں اپنی ذمہ داریوں کو صرف تعلیم تک محدود نہ
قرار دیں۔ اگر باپ اپنے بیٹے بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی
اور استاد اپنے شاگرد کو آزادی دیدے اور ان کے ہاتھ تھام
کر ان کو سینما ہاؤس کی سیر کرائے تو وہ اسکی تمام برائیوں
کا رہبر ہوگا۔ مگر آج کل تو یہی رنگ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کا دل
بہلانے کے لیے ساتھ سینما لے جاکر ان کا دل بڑھاتے اور استاد
اپنا دل بہلانے کے لیے شاگرد کو اپنے پہلو میں بٹھا کر "تماشہ"
بینی کا سبق پڑھاتے ہیں اللھم احفظنا من ھذہ الخرافات
آج میں اپنے تمام بزرگوں، جوانوں اور بچوں سے
خصوصاً ہم عمروں اور ہادیان قوم کی خدمت میں خلوص و
عقیدت کے ساتھ اس بات کی التجا کروں گا کہ وہ پھر ایک
مرتبہ اپنی پرانی سیرت اور عملی تصویر پر نیا رنگ چڑھا کر
دنیا کو یہ بتادیں کہ ہم اگر بننے کے بعد بگڑ گئے تو بگڑ کر
سنورنا بھی جانتے ہیں "دنیا دنگ وہل" زمانے کو پکار پکار کر
یہ کہدیں کہ ؎

ہم نے اپنے کو بگاڑا ہے سنورنے کے لیے
زندگی پائی ہے حق کے ساتھ مرنے کے لیے

آخر میں میری التجا قومی اخبارات سے ہے کہ وہ میرے دل کی
آواز قوم کے کانوں تک پہونچانے میں میری مدد کریں اور
ہر اخبار میرے خیالات کا ترجمان بن کر اپنی قوم سے یہ کہے
کہ ؎

اے قوم والو اٹھو زور شباب بن کر
دنیا کو جگمگا دو اک آفتاب بن کر (رفعت)

"خاکسار وفا"

سلام

(از جناب حبیب رشیدی صاحب)

تشنہ لب قتل محمد کا نواسہ ہوجائے
پانی پانی نہ فلک شرم سے دریا ہوجائے
بند اگر ذکر غم شاہ کا چرچا ہوجائے
ابھی اسلام کی دنیا میں سویرا ہوجائے
روز سجدے جو کرے خاک مزار شہ پر
آدمی ہی نہیں انسان فرشتہ ہوجائے
بولا حُر چوم کے پائے پسر شیر خدا
جس جگہ پر یہ قدم ہوں وہی کعبہ ہوجائے
حسرت اشک فشانی ہے بھر آئے دیدۂ تر
تاکہ تسکین دل فاطمہ زہرا ہوجائے
وہ مصیبت ہے شہ دیں کی جو دل سے سن لے
سنگ کے دل میں بھی اک درد سا پیدا ہوجائے
اے فلک کیسا ستم ہے یہ برائے اکبر!
رات کو عقد ہو اور صبح کو بیوا ہوجائے
سامنے آنکھوں کے فرزند جواں دم توڑے
شہ کی نظروں میں نہ اندھیر زمانہ ہوجائے
ایک آنسو جو غم شہ میں ٹپک جائے حبیب
تا بہ کوثر تجھے پہنچانے کو دریا ہوجائے

بیکسی

(جناب مولانا غلام مرتضیٰ صاحب لکھنوی فاضل ادب و دبیر کامل)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تاریخوں کے صفحوں کے صفحے ذکر عیش و راحت سے بزم نشاط بنے ہوئے پائے وہاں حرب و ضرب کے خونی مرقعے بھی صفحۂ تاریخ کو میدان رزم بنائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ دنیا کب نہیں معرکہ کارزار رہی زمانے بدل جاتے ہیں لیکن فطرت نہیں بدلتی انسان کی خود غرضی اور نفسانیت نے کبھی انسان کو ایک لمحہ کے لئے بھی امن کی نیند سونے نہ دیا۔ یوں تو عالم کا ہر طبقہ جہاں بھی حضرت انسان کا وجود ہے کچھ نہ کچھ دیر کے لئے میدان کارزار بن ہی جاتا ہے لیکن عام طبقات میں جہاں تک عرب کا خطہ اس صفت میں ممتاز نظر آتا ہے اتنا کوئی نہیں وہ اپنی فطری جنگ جوئی کی وجہ سے ہمیشہ شیفتۂ قتال رہے زمانۂ جاہلیت کی لڑائیوں سے قطع نظر کر کے اس زمانے میں جبکہ اسلام اپنی بھرپور جوانی پر تھا دنیا مسلمانوں سے تمدن سیکھ رہی تھی زمانۂ جاہلیت کی رسمیں مٹا کر اسلام کا حسین نقشہ بن کے ابھر رہا تھا۔ اس وقت کی تاریخ اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا دامن بھی مقتولین کے خون سے اتنا رنگین ہو رہا ہے کہ جہاں امن کے نشانات بالکل ہی دھندلے معلوم ہوتے ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ انھوں نے اس زمانے میں جتنی لڑائیاں لڑیں وہ بہت ہی منظم طریقے پر تھیں وہ ہر جنگ میں صرف اسی کو اپنا حریف سمجھتے تھے جو میدان جنگ میں تلوار لیکر نکل آتا تھا وہ مال غنیمت کے لالچ میں شکست خوردہ فوج کو ضرور لوٹتے تھے مگر پھر بھی انھیں نے کبھی مقتول کے جسم کی زرہ نہیں اتاری اور وہ اس کو مقتول کی شدید توہین سمجھتے رہے وہ ایک شخص سے لڑنے کے لئے صرف ایک ہی شخص کو بھیجتے تھے ان کے یہاں یہ ننگ تھا کہ وہ کسی ضعیف کے مقابل میں بہت بڑے بہادر کو چن کے بھیجیں یا کسی اکیلے پر سب مل کر ٹوٹ پڑیں حد یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مقابل کو پیدل اور خود کو سوار دیکھتے تھے تو خود بھی گھوڑے پر سے اتر کر پیدل ہی جنگ کرتے تھے جیسا کہ جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود عامری نے کیا۔ اس نے رجز شروع کرنے کے قبل جو چیز حضرت علیؑ کے سامنے پیش کی وہ یہی تھی کہ تم بچے ہو میرے مقابل میں کسی بڑے کو بھیجو۔

اس زمانہ میں اگر حریف کے پاس ماندگان نبرد بھی

کئے جاتے تھے تو ان کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا چنانچہ اسلام کے جلیل القدر پیغمبرؐ نے عدی ابن حاتم کے لئے جب وہ قید ہو کر آیا ہے تو اپنی عبا بچھا دی تھی پیغمبرؐ کا عام حکم تھا کہ ہر قوم کے محترم لوگوں کا اکرام کرو لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد جب ہم اسلام کی اسی متمدن قوم پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہیچ کافر نکند انچہ مسلمانان کردند فطرتیں بدلیں تو یوں کہ اصول ما سبق کا کوئی نشان ہی باقی نہ رہا۔ بھوکے اور پیاسوں کے مقابلہ میں سیر و سیراب ضعیفوں کے مقابلہ میں قوی اور بوڑھوں کے مقابل میں جوان، بچوں کے مقابل میں تجربہ کار بڈھے اور نہتوں کے مقابل میں ہتھیار دار نوجوان تھے۔ کربلا کی خونریز جنگ اس انقلاب فطرت و اصول کی ہمیشہ گواہ رہے گی۔

بہت ممکن تھا کہ امام حسینؑ کی حق و باطل کی جنگ بھی عرب کی فطرت کو دیکھتے ہوئے شاہانہ خانہ جنگیوں کا ایک ہلکا سا خاکہ بن کے رہ جاتی خصوصاً جبکہ حسینؑ کی طرف غربت اور یزید کی طرف دولت و سطوت پورے طور پر پشت پناہی کے لئے تیار رہتی تھی مثل مشہور ہے نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے عرب کے طویل و عریض خطہ میں حسینؑ کے ساتھ کربلا میں صرف بہتر ہی آدمی رہ سکے برخلاف اس کے یزید کی طرف اس وقت کی پوری دنیا تھی۔ اس کے بھی جو نمایاں فرق امام حسینؑ اور یزید کے درمیان تھا وہ صرف یہی تھا کہ اگر یزید کی طرف ظالمانہ فتح کے نشے سے جھومتے ہوئے خونخوار سپاہی پرا دے رہے تھے تو حسینؑ کے خیموں کے گرد بیکسی اپنی فتح پر ناز کرتی ہوئی بڑی آن بان کے ساتھ مصروف طواف تھی۔ کیا یزید نے اپنی دولت سطوت سمیت حسینؑ کی حقانیت کو چھپانے کی بھرپور کوشش نہیں کی۔

اب اس سے بڑھ کر اور کوشش کیا ہو سکتی تھی کہ اس شان سے اہل بیت کو دربار میں بلایا کہ دیکھنے والے یہ تک نہ سمجھ سکتے تھے کہ یہ قیدی ہیں کس خاندان کے مگر بقول شاعر

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

فضا میں کتنا ہی غبار کیوں نہ بلند ہو مگر کہیں آفتاب کی روشنی چھپانے سے چھپ سکتی ہے۔ زینبؑ کے غبار آلود چہرے پر کربلا کی خاک ذرے چمک کر بتا رہے تھے کہ ہم نے اسی نور عصمت سے کسب ضیا کیا ہے یزیدی لشکر والوں کا ظاہری سراب فتح نے بالکل ہی اندھا کر دیا تھا وہ وقتی فتح کے نشہ میں آتش بکف چلے تو خیمۂ حسینؑ کی طرف لیکن انھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ سکینہؑ کے جلے ہوئے دل سے اٹھتی ہوئی آہوں کے دھوئیں نے پہلے ہی ہمارے نشیمن فتح کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔

حسینؑ کی حقیقی فتح کا سب سے پہلا نشان جو کربلا میں بلند ہوا وہ حر ابن یزید ریاحی جیسے بہادر کا یزیدی دولت و سطوت کو ٹھکرا کر حسینی غربت کی طرف کھنچ آنا تھا۔

حسینؑ کے دل کی ہر نکلی ہوئی آہ کربلا کے ریگستان میں نشانِ فتح بن کر قائم ہو جاتی تھی۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کربلا میں حسینؑ کی ہر سانس ایک بہت بڑے انقلاب کی پیغامبر تھی یزیدی لشکر کی ساری توجہ محض اس پر مبذول تھی کہ کسی صورت سے حسینؑ کو ختم کر کے دنیا کو اپنا ہمزبان بنالے۔

مگر حسینؑ کے تیور بتارہے تھے کہ اگر زبانیں موافق ہو بھی سکتیں تو کیا تو سہی جو دلوں سے خراجِ تحسین نہ لیا ہو۔ حسینؑ کے استغناؤں پر فطرت لبیک کی صدا دے رہی تھی۔ نہیں بلکہ حسینؑ کے استغنائے خود نظریوں میں انقلاب پیدا کر رہے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ اولاد کی محبت جتنی ماں کو ہوتی ہے اتنی کسی کو نہیں ہوتی۔ تند و تیز ہواؤں کے موسم میں مائیں اپنے کمسن بچوں کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتیں چہ جائیکہ تیروں کی بارش میں۔ حسینؑ کے عزیز و انصار شہید ہو چکے ہیں میدان نبرد لاشوں کے انبار سے پٹا پڑا ہے، کربلا کی زمین بیکسوں کے خونِ ناحق سے سرخ ہورہی ہے بادل کی طرح دشمن کی ہر طرف چھائی ہوئی فوجیں آپس میں قتل حسینؑ کے مشورے کر رہی ہیں، یزیدی لشکر میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور ہتھیاروں کی کھڑک سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی آفتاب اپنی پوری حدت کے ساتھ پیاسوں کے امتحان پر تلا ہوا ہے کربلا کا ریگستان شدت حرارت سے تنور کی طرح دہک رہا ہے، حسینؑ کے خیموں پر ایک پر سکوت ویرانگی برس رہی ہے، ہاں کبھی کبھی سکینہؑ کی العطش العطش کی آواز آجاتی ہے جس سے حسینؑ کی بیکسی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے یہ وہ وقت ہے کہ جب پیاسے حسینؑ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہے اسی اثنا میں خیام حسینؑ میں سے ایک خیمے کا پردہ اٹھتا ہے اور ایک کمسن بچہ تلوار کمر میں لٹکائے لباس جنگ سے آراستہ لمبے لمبے گیسو دونوں شانوں پر پڑے ہوئے چہرے پر لڑکپن کی معصومیت نگاہوں میں اضطراب گھبرا گھبرا کر میدانِ جنگ کو دیکھتا ہوا امام حسینؑ کی طرف بڑھا چلا آتا ہے قریب پہونچ کر عرض کرتا ہے مولا اجازت جنگ عطا ہو' امام حسینؑ دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بیٹا خیمے میں جاؤ تمہاری ماں کے لئے تمہارے باپ کا مرنا کافی ہے تو بچہ ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے کہ مولا میری ماں ہی نے تو میرے جسم پر یہ ہتھیار سجے ہیں، بچہ شہید ہوتا ہے اور لشکر والے جب در خیمہ پر کھڑی ہوئی ماں کے پاس اس کے کمسن بچے کا سر پھینکتے ہیں، تو ماں صرف ایک نظر دیکھ کر پھر سر کو فوج کی طرف پھینک دیتی ہے اور جب اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو خود ہی جذبات نصرت سے بیتاب ہو کر عمود خیمہ لے کر فوج پر جھپٹ پڑتی ہے' یہ عورت زوجہ تھی جنادہ ابن کعب کی جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے اور وہ مرنے والا بچہ غریب جنادہ کا یتیم تھا۔ کربلا میں حسینؑ کے پاس یہی وہ ہتھیار تھے جن سے یزید کا قصر حکومت آخر کو مسمار ہو کے رہا۔"

حدیثِ مَن بکیٰ

از شاعر آلِ محمدؐ جناب نسیم امروہوی

(جناب نسیم امروہوی سے اگرچہ سال بھر ہم سے "مرثیہ غیر معصوم" کے سلسلے میں اختلاف نظریات ہو گیا ہے اور جب تک جناب موصوف "مرثیہ" کا نام بدل کر کوئی دوسرا نہ رکھ لیں یہ اختلاف باقی رہے گا لیکن یہ اختلاف نظریات ہمارے یا جناب نسیم کے جذبہ مذہبی میں حائل نہیں ہو سکتے اور جناب نسیم کی مذہبی نظموں کی نظارہ میں اشاعت اس کا بین ثبوت ہیں کہ یہ اختلاف ذاتی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے موصوف کے غیر مطبوعہ مرثیہ "فلسفۂ غم" سے چند بند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، اس مرثیہ میں جناب نسیم نے حدیث "من بکیٰ" اور امام حسینؑ کے غم میں رونے کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے اس کے ابتدائی بند تازہ سرفراز محرم نمبر میں شائع ہوا ہے ہیں ——— (نقش)

جن کی نظروں سے حقیقت ہے عزا کی مستور		مَن بکیٰ پر جو ہنسیں وہ تو نہ ہونا رنجور
کہتے ہیں رونے رُلانے میں تصنع ہے ضرور		واہ کیا فکر و نظر رکھتے ہیں چشم بد دور
لاکھ مجبور ہمیں کیجئے۔ کب روتے ہیں
چوٹ جب قلب پہ لگ جاتی ہے تب روتے ہیں

جو نہ مقصود غم دلبر حیدرؑ سمجھے		مصلحت کلمۂ اَبکیٰ کی وہ کیونکر سمجھے
اشک تمہیدِ عمل ہیں۔ دل مضطر سمجھے		جو نہ سمجھے تو خدا سمجھے پیمبرؐ سمجھے
مرکزی عزم ہے یاں بزم کی سرگرمی کا
اک بہانا ہے بکا دل کیلئے نرمی کا

جن کا شیوہ ہے بہرحال مخالف ہونا		سمجھے مفہوم تباکیٰ بہ تکلف رونا
نقدِ فرصت ہے عبث بحث غلط میں کھونا		خود زرِ علم کے نقاد پرکھ لیں سونا
جبکہ آنسو نہ بہیں خلق کی عادت ہے یہی
غم کے ماحول میں انسان کی فطرت ہے یہی

ہے تباکیٰ سے یہ مقصود کہ ارباب عزا		مجلس غم میں سنیں غور سے ذکرِ شہدا

جس طرح موت کے گھر میں کوئی پُرسے کو گیا | مرنے والے کے عزیزوں میں ہوا شور و بکا
آہ و نالہ یا دوہاں دل سے جو ٹکراتی ہے
شکل رونے کی بنائے نہیں بن جاتی ہے

نکتہ چینو تمھیں معلوم ہے مفہوم ریا؟ | یعنی وہ طاعت حق جس میں نہ ہو صدق و صفا
حرص زر یا ہوس جاہ میں تسبیح خدا | دین کا کام بہ امید حصول دنیا
یاں تباکی میں ریا کیا ہے تصنع کیا ہے
چند اشکوں کے سوا اور توقع کیا ہے

اس روایت کی وضاحت ہو اگر مد نظر | ترجمہ یہ ہے کہ جو روئے رلائے دم بھر
یا شریک غم سرور ہو بقلب مضطر | ہے یہ واجب کہ ہوں وا اُسکے لئے خلد کے در
مگر اُس وقت[عہ] کہ حق شاہ کا پہچان بھی لے
جان جس شخص پہ دیتا ہے اسے جان بھی لے

دُور ہے جس کی خرد سے یہ عزا کا پیغام | اس کی لفظوں پہ کرے غور بہ ادراک تمام
یاں تباکی جو ہے شرط بہ عرفان امام | عقل کہتی ہے کہ ہے عارف صادق کا کلام
یوں تو رونے کو عدو کھینچ کے خنجر روئے
گریہ آن کا ہے کہ جو سوچ سمجھ کر روئے

ایسی فطرت ہے نرالی غم شہ کی بخدا | شمر کو بھی جو رُلا دیتی ہے بے قصد بکا
جس سے ہو سکتا ہے قاتل پہ محب کا دھوکا | اس روایت نے کیا نور کو ظلمت سے جدا
نقد عرفان حقیقت میں اگر جھول نہیں
رونے والے کے پھر اشکوں کا کوئی مول نہیں

مَن بکی میں ہے جنھیں بحث و جدل کی عادت | حکم ابکی کو جو کہتے ہیں حریف فطرت
ضد تباکی سے جنھیں اور بکا سے نفرت | مضحکہ جن کی نظر میں ہے وجوب جنت
زور تقریر سے جلسوں کو ہلا دیتے ہیں
شرط عرفاں کو روایت میں بھلا دیتے ہیں

عہ روایت اس طرح ماثور ہے من بکی علی الحسین او ابکی او تباکی عارفاً بحقہ وجبت لہ الجنۃ

نفسِ مطلب سے وہ اس قول میں ہو کر غافل   حق کی تکذیب میں لاتے ہیں ثبوت باطل
عزمِ معصوم تو یہ ہے کہ وہی ہیں عاقل   معرفت جن کو ہے حق شہدا کی حاصل

جن کے آنسو شرفِ خونِ وفا جانتے ہیں
حق تو یہ ہے کہ وہی حق کو بھی پہچانتے ہیں

یہ روایت ہے تصنع کی حدوں سے بالا   کیونکہ ہے جزوِ اہم عشقِ امام والا
دل یہ کہتا ہے مگر حسنِ عقیدت والا   جس نے ہے فطرتِ اسلام کو دیکھا بھالا

وہ بھی مومن ہے جو دل سے بہ تاسف روئے
وہ بھی حق پر ہے جو ازراہِ تکلف روئے

معترض ہے جو تباکی پہ نگاہ کوتاہ   حق کے اسرارِ عبادت سے ہے غافل گمراہ
چند ہی ایسے تو ہیں بندۂ مخلص واللہ   طاعتِ حق پہ جو مائل ہیں بقلب آگاہ

غیر عارف کو ریاضت کا جو پھل ملتا ہے
ہر تکلف پہ اسے اجرِ عمل ملتا ہے

احترامِ رمضاں سے ہے عیاں ہر صفت   یہ تصنع بھی ہے مفروض خدا کی طاعت
صوم ہو یا کہ نہ ہو پھر بھی زراہِ حرمت   فرض ہے یہ کہ ہو صائم کی بظاہر صورت

شکل ایسی جو بناوٹ سے بنا لیتا ہے
بخدا اُس کو خدا اِس کی جزا دیتا ہے

رمضاں کا تو یہ رتبہ یہ فضیلت یہ حشم   ہدفِ طعن بنے فدیۂ توحید کا غم
شکل روزے کی بنائیں تو ہو خالق کا کرم!   شکل رونے کی بنائیں تو سراسر ہو ستم!

اُس جگہ بھی رحمت کا سبب ہو جائے!
اِس جگہ اشک بھی ٹپکے تو غضب ہو جائے!

نوحہ

از جنابہ حشمت نفیس بانو صاحبہ رضویہ بنت سید ہدایت حسین صاحب رضوی

قبر اصغر پہ کہاں کہتی تھیں دلبر دیکھو
دیر سے رن میں کھڑی روتی ہے مادر دیکھو

تمکو دادا نے دئے خلد میں جام کوثر
پیاسی دو روز سے ہے حالت خواہر دیکھو

نہر پر کاٹے گئے ہائے علمدار کے ہاتھ
بے کفن رن میں پڑا ہے تن اطہر دیکھو

راہیں دشوار عدم کی ہیں نہ ڈرنا بیٹا
بھائی کی گود میں رہنا علی اصغر دیکھو

خیمے سب جل گئے اور لٹ گیا سارا اسباب
بی بیاں شام میں جاتی ہیں کھلے سر دیکھو

شوق دیدار میں بیچین ہے مدت سے نفیس
چشم رحمت سے ادھر بھی شہ صفدر دیکھو

کربلا

از جناب قربان حسین صاحب قربان بلیوری سی آئی

تجھ میں کیا کیا دفینے چھپے ہیں بتا کربلا کربلا کربلا کربلا
کوئی پہچانتا تھا تجھے کب بھلا اپنی شہرت کی خاطر یہ کیا کر دیا
دیکھتے دیکھتے کر دیا گھر صفا خون بہتا ہے کس کا یہ کیوں دیکھتا
جب جواہر کے چننے کی خواہش میں تھا
کربلا کربلا کربلا کربلا

ابن سعد کی کیا تجھکو خواہش نہ تھی حلق پر خشک چلوا دی کیوں اس نے چھری
یہ نہ دیکھا کہ تڑپیں گے سبط نبی باپ روئے گا روئے گی ماں دل جلی
تجھکو کیا کوئی تڑپے کہ روئے بھلا
کربلا کربلا کربلا کربلا

تو نے عباس سا بھی دلاور لیا جس کا ثانی نہ ہو ایسا صفدر لیا
جو نہ عالم میں ایسا برادر لیا لشکر دیں کا چن کر غضنفر لیا
تجھکو کیا گلشن فاطمہ گر لٹا
کربلا کربلا کربلا کربلا

نازش جس پہ جوانی کرے وہ جواں جس کی صورت پہ ختم رسل کا گماں
حسن پر جس کے قربان حسن زماں سال جس کو لگا ہی تھا اٹھارواں
وہ بھی نظروں سے تیری نہ آخر بچا
کربلا کربلا کربلا کربلا

شادی ابھی کہیں دیکھی ہی کیا تھی جس کو شربت ملا اور نہ مہندی لگی
شادیانے بجے اور نہ دعوت ہوئی بیوہ بننے کے خاطر نئی وہ بنی
گل کھلائے نہیں ہر طرح تیری کیا
کربلا کربلا کربلا کربلا

یوں تو چن چن کے تو نے لیے ہیں گہر ایک شش ماہہ پر بھی تو ڈالی نظر
جمع تو کر لیے ہیں خزانے مگر ہے خبر یہ کہ لوٹا گیا کس کا گھر
کس کا تو نے صفایا ہے یہ کر دیا
کربلا کربلا کربلا کربلا

جو کہ مقصد تھا تیرا وہ پورا ہوا ان کے بچوں کی اب تجھکو پروا ہی کیا
بی بیاں اونٹ پر ہوں تو ہو بے ردا کوئی بیمار بیدل چلا تو چلا
کیا یہی ہے زمانے کی بوئے وفا
کربلا کربلا کربلا کربلا

بی بیاں سر کھلے اور بازار شام قیدی زین العبا اور دربار عام
پیش زینب لعیں فاجر کے بیجا کلام تجھکو کیا کربلا اب رہا ان سے کام
جبکہ کر ہی لیا تو نے اپنا بھلا
کربلا کربلا کربلا کربلا

ہے نہ تیغ گردن شاہ امم خیمے جلتے ہیں لٹتے ہیں اہل حرم
لرزاں ہے یہ زباں رکتا ہے اب قلم ختم قربان کر ذکر رنج و الم
تو نے جو کچھ بھی چاہا وہ سب کر لیا
کربلا کربلا کربلا کربلا

سید ظفر عباس مضطر، ایڈیٹر پبلشر پرنٹر نے سرفراز قومی پریس میں چھپوا کر
دفتر نظارہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع کیا

"وفا"

(از جناب (اشرف العلما) مولانا سید ابوالحسن صاحب صدر الافاضل)

وفا کے حقیقی معنوں کی تلاش میں ہر صنف اور ہر طبقہ کے انسان نے کوشش وسعی کی مگر اُس کی سعی بار آور نہ ہوئی۔ ناکامیابی کا منھ دیکھنا پڑا اور خائب و خاسر واپس ہوتے ہوئے پھر اُسی منزل پر آنا پڑا جہاں سے اُس کے جذبات اُبھرے تھے کیا درحقیقت وفا فانوس بے شمع قندیل بے نور جسم بے روح ہے یا وفا ایسی شمع ہے اور ایسی ضیا اور ایسی روح اعظم ہے جس کو ظاہری نگاہیں دیکھنے سے عاجز و مجبور ہیں یا ظاہری نگاہیں جس کو وفا کے لباس میں دیکھتی ہیں اور جس کو وفادار کا لقب عطا کرتی ہیں وہ نفس الامر میں وفادار ہے نہیں ہیں۔ وفا کی تجلیوں کو وفا کے خوبصورت ولطیف چہرے کو وفا کی روح اعظم کو چشم ظاہر دیکھنے سے یقیناً اُسی طرح مجبور ہے جیسے ایک نابینا آفتاب کو دیکھنے سے معذور ہے۔ ظاہری نگاہیں جس کو وفا کا پیکر سمجھیں وہ حقیقی معنوں میں وفادار نہیں ہو سکتا ہے حقیقی معنوں میں وفادار وہی ہے جس کو خالق وفا یا جس کو ولی خدا وفاداری کے خلعت سے مزین فرمائے۔ دنیائے ناپائدار کی چند مثالوں اور شاعری تشبیہوں میں وفا کے گوہر کی تلاش کرنا فضول ہے اس حقیقی گوہر کا صدف پروانہ وقیس و فرہاد کا پیکر نہیں ہو سکتا ہے ہم کو غالب کا ممنون ہونا چاہیے کہ اُنہیں نے اس پہلو کی مطلع مذکورہ ذیل میں نہایت ہی حسن سے تردید کر دی ہے فرماتے ہیں:

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

اچھا تو جب اہل زمانہ نے صفحۂ دہر پر جسقدر نقش وفا بنائے تھے وہ بیکار اور لفظ مہمل ثابت ہوئے تو اب اُس کے نقش وفا کو مرکز عبدیت بنانا لازم ہے جس کو خداوند عالم وفادار کہدے یا وہ شخص جو حقیقی معنوں میں ولی خدا ہو ایسا ولی خدا بھی جس کو وفادار کہدے وہ یقیناً وفادار ہے۔ ہم جب حقیقی واہب العطایا کے عطا کردہ القاب و مناصب کی تلاش میں قرآن مجید کی ورق گردانی کرتے ہیں تو وفا کے مشتقات کا استعمال کئی آیتوں میں کئی ذی رتبہ افراد کے لئے دیکھتے ہیں اور یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ جب تک مبدا کا وجود عقلی کسی شخص میں نہ ہو اُس وقت تک وہ مصداق مشتق نہیں ہو سکتا ہے جیسے علم یہ مبدا ہے اور عالم مشتق ہے علم جس شخص میں نہ ہو اُس کو عالم کہنا صحیح نہیں ہے اسی طرح جس شخص میں وفا کا مبدا قائم نہ ہو اُس کے لئے کبھی کوئی شخص مشتقات وفا کا استعمال نہ کرے گا مگر وہی لوگ کہ جو جاہل ہوں یا عالم بے عمل اور جھوٹے۔ سچا انسان کبھی ایسی جرأت نہ کرے گا کہ جاہل کو عالم عالم کو جاہل بیوفا کو باوفا کہے جب سچے انسان مخلوق ہو کر سچائی نہ چھوڑیں تو خدا جو خالق ہے اور سچ کو دوست رکھتا ہے اور جس نے سچوں کی پیروی کو کونوا مع الصادقین قرآن مجید میں ارشاد فرما کر واجب کیا ہو وہ کیونکر کسی لفظ کے مشتقات کو بغیر وجود مبدا کے کسی کے لئے استعمال کرے گا کوئی بندہ خدا کو خدا مانتے ہوئے اُس کی جانب جھوٹ کی

نسبت نہیں دے سکتا ہے لہذا اگر جناب ابراہیمؑ میں وفا کا جوہر نہ ہوتا تو خداوند عالم ہرگز اپنے خلیل کو وابراھیم الذی وفی کے خلعت سے سرفراز نہ کرتا اگر علیؑ و فاطمہؑ حسن وحسین علیہم السلام تاجداران مملکت وفا نہ ہوتے تو خدائی حکیم وعلیم ولبصیر کبھی دیوفون بالنذر کو اور والموفون بعھدم اذا عاھدوا کے تاج سے مزین نہ کرتا۔

حسینؑ کون ہیں حسینؑ اسی سچے خدا کے سچے رسول یعنی محمد مصطفےٰ خاتم پیغمبران کے لخت جگر میوۂ دل اور سرمایہ نبوت ہیں سچے رسول کے صرف نواسے ہی نہیں ہیں بلکہ صدیقہ کے بیٹے اور صدیق کے فرزند بھی ہیں اور خود بھی مسلک صادقین میں ایک تابندہ گوہر ہیں لہذا آپ کا ہر لفظ ہر کلمہ بلکہ ہر حرف میزان صدق وصفا کے لئے لازوال زینت کے جانے کا مستحق ہے۔ ہمارے ولی نعمت و آقائے دین و ملت حضرت عباس علیہ السلام کے واسطے حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوئی مخصوص جملہ ایسا نہیں فرمایا جس سے آپ کی وفاداری پر بہ نسبت دیگر اصحاب کے کوئی امتیازی روشنی پڑتی مگر عملی حیثیت بتاتی ہے کہ حضرت عباسؑ سے بڑھ کر آپ کے اصحاب میں اگر کوئی وفادار ہوتا تو حضرت اسی کو علمداری کا منصب عطا کرتے کیونکہ علمداری کی ذمہ داریاں اسی شخص کو دی جاسکتی ہیں جو وفادار اور سچا اور بہادر ہو حضرت علیہ السلام کے تمام اصحاب ہر نبی وامام کے اصحاب سے وفادار تر تھے جیسا کہ حضرت نے لا اعلم اصحابًا اوفی من اصحابی کے جملہ سے مدح فرمائی ہے لیکن حضرت علیہ السلام کا علم لشکر حضرت عباسؑ کو عطا کرنا بتاتا ہے اور یہ عملی دلیل صاف صاف کہتی ہے کہ حضرت عباسؑ ان اصحاب میں بھی سب سے زیادہ وفادار اور شجاع تھا بلکہ سب سے زیادہ سچے بھی جیسا کہ حضرت امیرؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں الوفاء توأم الصدق وفاداری اور سچائی جڑواں بھائی ہیں۔

آلِ رسول صلعم پر انگریزی میں کتابیں

سیدہ زینبؑ انگریزی زبان میں حضرت ام المصائب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا پر پہلی کتاب ہے جو ڈاکٹر علامہ الحاج محمد علی سالمین مشہور عرب مبلغ اسلام کے دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ علامہ صاحب نے اسلام رسول اکرم اور اہلبیت عظام علیہم السلام کی خدمات کو نصب العین زندگی قرار دیا ہے مجلد پارچہ مع کور بہترین جلد و کاغذ ہدیہ دو روپیہ۔ محصول ۱۲ر آنہ

امام حسینؑ انگریزی زبان میں غالباً اس سے زیادہ جامع اور سلیس زبان میں معرکۂ کربلا پر کوئی دوسری کتاب نہ ہوگی۔ حضرت علامہ الحاج سالمین صاحب قبلہ نے عرق ریزی اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر بہترین جاذب چھپائی اور جلد رنگین کے ساتھ اس کتاب کو شائع فرمایا ہے اور باوجودیکہ اس گراں سال میں یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ قیمت تین روپے۔ محصول ڈاک ۱۲ر

دی گرانڈ مسلم مشن بمبئی علامہ صاحب زید عمرہ العزیز کی نگرانی میں عرصہ دراز سے خدمت دین کر رہا ہے اس دینی ادارے سے میں اسلام اور اہلبیت علیہم السلام پر کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں غیر مسلم طبقہ میں ٹریکٹ پمفلٹ مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ سالانہ ممبری فیس عوام سے بارہ روپیہ ہے۔ اہل خیرات حضرات جو بھی مرحمت فرمائیں جو صاحب ممبر ہوں گے ان کو مذکورہ بالا ہر دو انگریزی کتابیں اور دوسرے ٹریکٹ اور پمفلٹ بلا قیمت ارسال کئے جائیں گے۔ خیرات زکوٰۃ صدقات منت وغیرہ کا بہترین مصرف دینی لٹریچر شائع کرنا ہے۔ علامہ موصوف نے اپنی عمر عزیز کو اسلام کی خدمت مشن پر لگا دیا ہے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ اس اسلامی ادارے کی ہر ممکن امداد کرنی چاہیے۔

خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ: سکریٹری دی گرانڈ مسلم مشن محبوب منزل پلٹن روڈ فورٹ بمبئی ۱

BOMBAY 1

جب یاد حسینی آتی ہے کونین کا دل تڑپاتی ہے
ہر سال محرم میں یہ گھٹا ایمان کے گھر برساتی ہے

(فضل)

موج فرات
کی
دوسری جلد تیار ہو گئی

موج فرات کی دوسری جلد جس میں حسینی شاعر جناب فضل لکھنوی کے جذبات عقیدت میں ڈوبے ہوئے اس سال کے نئے نوحے شائع ہو گئے اگر آپ نے اس وقت تک آرڈر نہیں بھیجا ہے تو آج ہی منگا لیجئے ورنہ ممکن ہے کہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہے۔

موج فرات جلد اول کا تیسرا ایڈیشن کا انتظار کرنا ہو۔ قیمت ۶/ (علاوہ محصول)

ملنے کا پتہ:- **منیجر نظارہ بک ڈپو لکھنؤ**

امامیہ یتیم خانہ ہملٹن روڈ
شیعہ جامع مسجد دہلی

(زیر سرپرستی علمائے کرام وزیر نظر امامیہ شیعہ الصفا ریپراونشل شیعہ کانفرنس صوبہ دہلی)

یہ یتیم خانہ عرصہ بارہ سال سے صوبہ دہلی میں جو کہ تمام ہندوستان کا مرکز ہے جاری ہے اس میں قوم کے یتیم بچے اپنے والدین کی شفقت سے محروم ہو کر زیر نگرانی عالم دین مثل اولاد کے پرورش پا رہے ہیں اور دینی دنیوی تعلیم صنعت و حرفت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں آپ سے استدعا ہے کہ براہ کرم (۱) ماہواری مستقل چندہ ممبری (۲) فطرۂ عیدالفطر (۳) عقیقہ و قربانی کی کھالیں (۴) امام ضامن (۵) فوت شدہ عزیزوں کی روح ایصال ثواب (۶) منت ادائے قرضہ (۷) ناگہانی بلاؤں کے دور ہو جانے پر (۸) مریضوں کی شفا یابی پر (۹) مقدمات کی کامیابی پر (۱۰) بے اولادوں کی منت اولاد (۱۱) خمس و زکوٰۃ (۱۲) نذر و نیاز و خوشی کے موقع وغیرہ کی رقومات امامیہ یتیم خانہ میں ارسال کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کی ترغیب دیکر ثواب دارین حاصل کریں یتیم خانہ ہذا نے امامیہ بک ڈپو اس غرض سے قائم کیا ہے کہ وہ دینی کتب مومنین کو سستی قیمت پر مہیا کرے منسلکہ ذیل کتب اور جملہ دینی کتب متعلقہ بہ پستہ دہلی امامیہ بک ڈپو سے طلب فرما کر یتیم خانہ ہذا کو مدد پہنچائیں (۱) رسالہ تعقیبات نماز پنجگانہ (۲) اعمال ماہ رمضان و عیدین (زیر طبع) (۳) رسالہ اعمال ماہ صفر نو روز (زیر طبع)

خادم قوم:- آغا نثار احمد ڈپٹی کلکٹر ریٹائرڈ و آنریری مجسٹریٹ و آنریری جنرل سکریٹری امامیہ یتیم خانہ دہلی